اخلاقیات

10

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔
موجب سرکلر نمبر F.6-8/2009 مورخہ 01 مارچ 2011
تیار کردہ: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فہرست مضامین

باب نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	باب نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
-1	**مذاہب کا تعارف**	02-12	•	انسانی کردار سازی پر احتساب کے اثرات	38-45
•	مشکلات کے حل میں مذاہب کی رہنمائی		•	مذہبی تعلیمات میں پابندی وقت کی اہمیت	
•	گناہ اور جرم کا تصور		-4	**عوامی مقامات کے آداب**	46-51
-2	**مہاویر**	13-24	•	1-ریلوے اسٹیشن 2- بس اسٹینڈ	
•	حالات زندگی			3-ہوائی اڈا 4- بازار (مارکیٹ)	
•	مہاویر کے ہم عصر مذہبی راہنما		-5	**مشاہیر**	52-65
•	مہاویر کی تعلیمات		•	فلاسفر ارسطو	
-3	**اخلاق و اقدار**	25-37	•	عمان ویل کانٹ	
•	عبادت کے انسانی زندگی پر اثرات (مذاہب عالمی کی روشنی میں)		•	سری اربندو گھوش	
			•	**فرہنگ**	66
•	عالمی مذاہب میں اخلاقی اقدار				

مصنفین: • ڈاکٹر عبد اللہ شاہ ہاشمی • ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

ڈائریکٹر (مسوّدات): فریدہ صادق **ڈپٹی ڈائریکٹر (گرافکس):** انجم واصف
نگران/ایڈیٹر: لئیقہ خانم
کمپوزنگ: عرفان شاہد **ڈیزائننگ:** سمیرا اسماعیل
ناشر: **مطبع:**

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت

پیشِ لفظ

ایک زمانہ تھا کہ انسان غاروں میں رہتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ دنیا کی آبادی بڑھی تو انسان اپنی فطرت کے مطابق مل جل کر رہنے لگے۔ اس سے انہیں زندگی زیادہ خوش گوار محسوس ہوئی۔ وہ اسے بہتر بنانے کے لیے کوشش کرنے لگے۔ ایسے اصول وضوابط بنانے کی کوشش کی جانے لگی جن پر عمل کرکے زندگی اور زیادہ پُرسکون ہو جائے لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا۔ ترقی کی خواہش کی طرح اختلافات بھی انسانی فطرت کا حصہ ہیں۔ انسان سوچ، صلاحیت اور عمل کی قوت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس لیے وہی قانون اور ضابطے درست ہیں جو کائنات کے بنانے والے نے اپنے نیک بندوں کے ذریعے انسان کو سمجھائے ہیں اور اس خالق و مالک کو رام، رحیم، واہگورو اور یزدان کہتے ہیں۔ تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف اَدوار میں انسان صرف اسی دَور میں پُرسکون رہا ہے جب وہ اس برتر ہستی کی ہدایات پر کاربند رہا ہے۔

مذاہب اخلاقیات کے ماخذ بھی ہیں اور انہیں پروان بھی چڑھاتے ہیں۔ ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ دیانت داری، صداقت، ہمدردی، دریادلی اور جذبہ خدمتِ خلق جیسی اقدار مذاہب ہی کی عطا ہیں۔ اگرچہ مذاہب مختلف ہیں لیکن یہ اخلاقی اقدار ایک جیسی ہیں۔ عملی زندگی میں آپ نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا ہوگا جن کا تعلق مذاہب سے ہوتا ہے لیکن وہ سب بنیادی اخلاقی اقدار پر عمل کرنے والے ہمیشہ دوسروں کے دُکھ سُکھ میں شریک رہتے ہیں اور کسی قدرتی آفت کے موقع پر مذہب اور ملت کی تفریق کے بغیر خدمت خلق میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ وہ کبھی دوسروں کا دل نہیں دکھاتے بلکہ ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ وہ صرف جھوٹ اور ظلم سے نفرت کرتے ہیں۔

پاکستان مسلم اکثریت کا ملک ہے لیکن اس میں مسیحی، ہندو، سکھ، بُدھ، پارسی اور دیگر غیر مسلم اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ یہاں ہندوؤں اور سکھوں کے مقدس مقامات بھی موجود ہیں اور ہر سال ہزاروں زائرین بیرونِ ملک سے ان مقدس مقامات کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ یہاں تمام مذاہب کے لوگوں میں باہمی اتحاد اور یگانگت پائی جاتی ہے اور کسی بھی ملک کی ترقی اور خوش حالی میں یہ اتحاد، رواداری اور یگانگت بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

پاکستان میں اقلیتوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذاہب، عقائد، جان و مال اور ثقافت کا تحفظ کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی بقاء، ترقی اور خوش حالی کے لیے ضروری ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں میں ہم آہنگی ہو، وہ رواداری سے کام لیں اور ان کے آپس کے تعلقات خوش گوار رہیں۔

اخلاقیات کی اس درسی کتاب میں نہایت مفید درسی مواد کو شامل کیا گیا ہے۔ مذہب کی نفسیاتی اہمیت، اخلاقی اقدار، قومی بحرانوں میں اور جرائم کی روک تھام میں مذاہب کا کردار، عالمی مذاہب کی عطا کردہ اخلاقی اقدار سے انسانی کردار کی تشکیل عبادت گاہیں، عبادت کے طریقے اور انسانی رویوں پر عبادت کے اثرات، ارسطو، عمان ویل کانٹ اور سری اربندو جیسے مشاہیر کے افکار و کردار کو شاملِ نصاب کیا گیا ہے اسی طرح عالمی مذاہب میں سے جین مت اور مہاویر کی تعلیمات بھی شاملِ نصاب میں یہ معلومات طلبہ کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔

ہم نے مقاصدِ تعلیم، اخلاقی تعلیمات کے خصوصی مقاصد اور طلبہ کی ذہنی سطح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حکومت پاکستان کے عطا کردہ نصاب کے مطابق یہ کتاب ترتیب دی ہے اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے ارکان پر مشتمل قومی جائزہ کمیٹی نے نہایت باریک بینی سے اس کا جائزہ لیا ہے اور اسے نصاب کے عین مطابق قرار دیا۔ اُمید ہے اساتذہ اور طلبہ اسے مفید پائیں گے۔ دوسری اشاعت سے پہلے اساتذہ کرام اور اخلاقیات کا مطالعہ کرنے والے افراد کی مثبت تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

مصنفین

باب 1
مذاہب کا تعارف

مذہب کی تعریف مختلف ماہرین کی نظر میں مندرجہ ذیل ہیں :

کانٹ(Kant) کے نزدیک:

ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا مذہب ہے۔ ہر انفرادی شے کو ایک عظیم کل کا جزو سمجھنا اور ہر محدود شے کو لامحدود کا نمایندہ قرار دینا مذہب ہے۔

ہیرالڈ ہوفڈنگ(Harald Hoffding) کے نزدیک:

''اقدار کی مداوت کا نام مذہب ہے۔''

ولیم جیمز(William James) کا کہنا ہے کہ:

''انفرادی اشخاص کے عالم تنہائی کے وہ جذبات، اعمال اور تجربات جن کی بابت وہ سمجھیں کہ ان کا رشتہ اس شے سے ہے جسے وہ اپنی دانست میں خدا کہتے ہیں، مذہب کہلاتے ہیں۔''

Calverton کے نزدیک:

''انسان نے اس وقت کا نام مذہب رکھ لیا ہے جس کے متعلق اس نے یہ عقیدہ پیدا کر لیا ہے کہ اس کے زور سے وہ کائنات کو مسخر کر لے گا۔''

پروفیسر اے این وائٹ ہیڈ(A.N.Whitehead) نے مذہب کے متعلق مختلف مقامات پر مختلف تصریحات کی ہیں۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ:

''انسان جو کچھ اپنی ذات کی تنہائی سے کرتا ہے مذہب ہے۔ مذہب عقیدہ کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کو اندرونی پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔ مذہب عالمگیر وفا شعاری(World Loyalty) کا نام ہے۔''

مذہب کا مفہوم:

انسان میں جو تجسس کا مادہ ہے اس کی وجہ سے وہ تنہا اپنی ذات کو نہیں بلکہ سارے عالم کی ساری چیزوں کو جاننا چاہتا ہے۔ جب وہ خیالات کی بلند پروازی جب کرتا ہے تو ''عالم کون'' کے نقطہ آغاز تک رسائی چاہتا ہے اور اس کے آخری انجام سے بھی واقف ہونا چاہتا ہے۔ انسان دنیا کی ہر چیز کو سمجھنا اس پر قابو حاصل کرنا اور اس سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔ دنیا کے ذرہ ذرہ پر غور کرتا ہے۔ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز عبث اور بے کار نہیں ہے۔

مذہب کی جامع تعریف:

انگریزی زبان میں مذہب کے لیے (Religion) کا لفظ ہے جو لاطینی زبان سے ماخوذ ہے۔ جس کا مفہوم عقیدہ، ایمان اور عبادت کا ایک نظام ہے لیکن عبادت اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان اپنے آپ کو کسی ہستی کے ساتھ وابستہ کر دے۔ اس لئے انسان

اپنے آپ کو سب سے زیادہ سب سے بڑی ہستی یا کارساز، کارفرما ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے لیکن لفظ (Religion) ہر مذہب کے مفہوم کی تشریح نہیں کرتا کیونکہ تقریباً تمام مذاہب کا اتنا محدود مفہوم نہیں ہے صرف عقیدہ یا عبادت مذہب کے نظام کا نام نہیں بلکہ مذاہب میں عقیدہ وعبادت، سیاست ومعاشرت، تہذیب وتمدن، رہن سہن، لباس اور معاشی نظام وغیرہ یعنی انسان کی زندگی کے ہر لمحے کو مذہب کی تعلیم کے مطابق ادا کرنا مذہب میں داخل ہے۔

مذہب کے بنیادی عناصر:

مذہب کے بعض بنیادی عناصر ایسے ہیں جنھیں کم وبیش ہر مذہب میں تلاش کیا جا سکتا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

i- عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک فطری عنصر ہے جس کا تعلق سچائی کے فہم، اس کی ضابطہ سازی اور باطل سے نبرد آزمائی ہوتا ہے۔

ii- رسوم یہ مذہب کا دوسرا اہم عنصر ہے۔ یہ عنصر برائے راست اصل وحی سے ماخوذ ہوتا ہے، مذاہب میں رسوم کی حیثیت بڑی اہم ہے۔ ان کے بغیر مذہب کے وجود کا تصور ہی محال ہے۔

iii- تیسرا عنصر اخلاق ہے۔ اخلاق اور نیکی کے بغیر روح یا تائید یا فضل خداوندی حاصل کرنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔

مذہب کے پہلے دو عناصر انسان کے خداوند تعالیٰ سے تعلق کے حامل ہیں جبکہ تیسرا عنصر انسان کا انسانیت کے بارے میں ہے یعنی اس کے معاشرتی روابط کے متعلق ہے۔ مذہبی نظاموں کے مطالعہ سے ایک عمومی اتفاق رائے کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ایسے نظام سبھی معلوم معاشروں میں پایا جاتا ہے۔ بہت سے معاشروں میں مذہبی عقائد ورسوم ایک طرز کی طریق حیات کو ایک عملی اکائی کی شکل دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مذہبی عقائد ورسوم ہر معاشرے میں بڑی الگ الگ صورتوں میں موجود ہیں۔

مذہبی تقاضے:

مذہب انسانی فطرت میں داخل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں فطری طور پر مذہب کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ مذہب کی بڑی غرض وغایت فطری تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ فطری تقاضوں کی نوعیت دو طرح کی ہیں:

(الف) مادی تقاضے:

دنیاوی ضرورتیں اور مادی وسائل کا تعلق انسان کے دنیاوی معاملات، ضروریات ساتھ تعلقات وروابط سے ہوتا ہے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مادی تقاضے ہمارے معاشرتی اور معاشی امور سے متعلق ہوتے ہیں۔ مذہب ان اُمور کے سب پہلوؤں کے بارے میں ہدایت دیتا ہے تاکہ انسان کے مادی تقاضے باحسن پورے ہوں اور زندگی باضابطہ خوشگوار اور متوازن ہو سکے۔

(ب) روحانی تقاضے:

ان تقاضوں کا تعلق انسان کی روحانی زندگی اور روحانی نشوونما سے ہوتا ہے، اس کی ہستی اور ربوبیت کا شعور اور یقین حاصل کرنا ہے، اسی شعور اور یقین کی مدد سے وہ اپنی زندگی میں ایک خاص طرح کا اطمینان، احساس تحفظ اور اعتماد وقوت پاتا ہے، اسی یقین وقوت سے وہ روشنی حاصل ہوتی ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے۔

مذہب کے مقاصد:

1۔ مذہب کے بڑے مقاصد میں سے ایک تو یقیناً ''توضیح'' ہے یعنی زندگی کے مختلف احوال ومواقع کا بامعنی مفہوم واضح کرنا، دنیا کے لوگ ہمیشہ تعجب کرتے رہے کہ زندگی کے معاملات کیسے شروع ہوئے۔ لوگ ہمیشہ زندہ رہنے کی بجائے مرکیوں جاتے ہیں، بیماریوں اور تکلیفوں میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں؟ بعض معاشرے تو مظاہر قدرت کی سائنسی توضیحات کا فہم ہی نہیں رکھتے اور ان کی مافوق الفطری قسم کی توجیہہ پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ بہر حال ان توضیحات اور توجیہات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

2۔ مذہب کا دوسرا بڑا مقصد ''تسکین دینا'' ہے، انسان کو اپنی زندگی میں بھوک، بیماری موت، افلاس، مصیبت وغیرہ سے سابقہ رہتا ہے۔ چنانچہ جسمانی مشکلات اور ذہنی پریشانیوں کے ہاتھوں یا ان کے خطرات اور اثرات کے سبب وہ خوف اور غم کا شکار رہتا ہے۔ اس قسم کی صورت حال میں مذہبی عقائد اور رسوم اس کی تسلی کا باعث بنتے ہیں۔ عبادات اور دعاؤں سے اسے تسکین حاصل ہوتی ہے۔ زندگی کی غیر یقینی اور مشکلات کو سہارنا اور ان میں سے تسکین کا پہلو نکالنا مذہبی عقائد و رسوم ہی کے سبب ممکن ہے۔

3۔ مذہب کا تیسرا بڑا مقصد لوگوں کے ''رواج واقدار کی توثیق'' ہے۔ کسی بھی معاشرے میں مذہبی عقائد بڑی اہمیت رکھتے ہیں، ان کی حیثیت ایک مضبوط موید کی ہوتی ہے جس کے سہارے لوگ کچھ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور ثقافتی خصائل کی وضاحت کرتے ہیں۔ انسان اپنے مذہبی عقیدے کی روشنی میں اپنے عمل اور رواج کی توجیہہ کرتے ہیں اور ان کا جواز پیش کرتے ہیں۔

4۔ پھر ''معاشرتی استحکام'' بھی مذہب کا ایک اہم مقصد ہے۔ خصوصاً ان معاشروں میں جہاں پورے گروہ کے لئے یکساں مذہبی عقائد و رسوم موجود ہیں۔

5۔ مذہب فرد کو ''احساس تحفظ'' فراہم کرتا ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ خدا مالک ہے، حامی و ناصر ہے یا رخصت ہوتے ہوئے کہتے ہیں، خدا حافظ۔

6۔ مذہب شک وگمان یا اسرار کے بجائے ''یقین و اعتماد'' پیدا کرتا ہے۔ جسے عموماً ایمان کی قوت کہا جاتا ہے۔

7۔ مذہب ''تسلّی اور تسکین'' کا باعث بنتا ہے، خصوصاً موت کے خیال سے۔ یہ ایمان داروں کو ایک قسم کی طاقت کا احساس دلاتا ہے۔

مذہب ایک ایسی قوت کے طور پر کام کرتا ہے جو افراد کو معاشرے کے ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے اور معاشرتی کنٹرول کا ذریعہ بنتا ہے۔ مذہبی نظام ایک معاشرے کے معاشرتی اداروں کی حمایت کرتا ہے اور خاص رویوں کے لئے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ دنیا کی اکثر مذہبی تنظیمیں اس جدوجہد میں پیش پیش ہیں کہ عہد حاضر میں انسانی زندگی کی کیفیت میں بہتری پیدا کی جا سکے مذہبی تعلیمات میں ہمیشہ نیکی، بھلائی اور شرافت کی تلقین ملتی ہے۔ مذاہب نے اعلیٰ معاشرے اور انسان کی عمدہ کیفیت کا درس دیا ہے۔ مذاہب معاشرتی تبدیلی اور معاشرتی تواتر دونوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور یہ دونوں عمل معاشرے میں جاری وساری رہتے ہیں لیکن جو عقائد مستحکم اور اٹل ہوں ان میں رد و بدل یا تغیر کسی قیمت پر گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

☆☆☆☆

مشکلات کے حل میں مذہب کی راہنمائی

بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے ایک جملے میں اپنے مذہب کا فلسفہ بیان کیا ہے کہ "دُنیا دکھوں کا گھر ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان تقریباً اڑھائی ہزار سال پہلے بھی دکھوں، پریشانیوں اور مصائب میں گھرا ہوا تھا۔ اُس دور کی نسبت آج زندگی زیادہ آسان ہے لیکن انسان کو سکون اور اطمینان پھر بھی میسر نہیں۔ کتنے ہی ارب پتی افراد ہیں، جو نیند کی گولیاں کھا کر سوتے ہیں۔ غریب ہے تو وہ سو طرح کی مصیبتوں کا شکار ہے۔ جسے ذرا چھیڑیں دکھوں اور محرومیوں کی کہانی سنانے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ انسان کو بعض اوقات اچانک، غیر متوقع اور ناپسندیدہ صورتِ احوال کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی بحرانی صورت حال افراد کے ساتھ ساتھ قوموں کو بھی متاثر کرتی ہے۔ ان مشکلات سے نپٹنے کے لیے مذہب اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ایک دفعہ ایک معروف دانش ورعرب کے ایک صحرا میں خانہ بدوش بدوؤں کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ اچانک انھیں ایک آندھی نے آگھیرا۔ اس طوفان میں حُسنِ اتفاق سے انسانی جانیں تو بچ گئیں مگر ان کا مال و اسباب، اونٹ اور پانی کا ذخیرہ بڑی حد تک تباہ ہو گیا۔ بچ جانے والوں کے پاس صرف تن کے کپڑے رہ گئے تھے۔ وہ یقینا پریشان تو ہوئے ہوں گے لیکن یہ کہہ کر کہ خدا تعالیٰ اور دے گا آگے چل پڑے۔ دانش ور ان کا توکل اور خدا پر پختہ یقین دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر مادہ پرست معاشرے میں اگر ایسا واقعہ پیش آتا تو متاثرین شاید مایوسی کا شکار ہو جاتے۔ یہ ان کی مذہبی تربیت، عقائد اور توکّل کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف بحران سے اطمینان کے ساتھ باہر نکل آئے۔ بلکہ اس میں مایوسی کا شکار بھی نہ ہوئے۔

شخصی زندگی کئی قسم کے بحرانوں کا شکار ہوتی ہے۔ اچانک وبا پھیلتی ہے اور ایک ایک گھر سے بیک وقت کئی کئی جنازے اُٹھتے ہیں۔ سارے گھر میں صرف ایک فرد بچتا ہے۔ اس کی ذہنی کیفیات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور آدمی مالی خسارے کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا بال بال قرضے میں جکڑا جاتا ہے۔ اکلوتی اولاد کی موت، معذوری، گھر کے کسی بھی فرد کا پاگل پن اور اسی طرح کے کئی بحران ایک فرد کی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک قوم مالی مشکلات کا شکار ہو کر بحرانوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں سونامی جیسے طوفان تباہی مچا دیتے ہیں۔ زلزلے شہروں کے شہر اُلٹ دیتے ہیں۔ کوئی قوم جنگ اور جارحیت کا شکار ہو جاتی ہے اور ہزاروں لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، بہت سے معذور افراد اور لاکھوں بے گھر ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے تمام نجی اور قومی بحرانوں میں بڑے حوصلے اور سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ حوصلہ صرف مذہب عطا کرتا ہے اور وہ ٹوٹے دلوں کا سہارا بنتا ہے۔

مذہب دو طرح سے انسانوں کے کام آتا ہے۔ مذاہب کی اخلاقی تعلیمات انسان کو دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونے پر آمادہ کرتی ہیں اور دوسروں کی خدمت کے لیے تحریک پیدا کرتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رحم دلی، ایثار، سخاوت اور ہمدردی جیسی صفات مذہب کی سکھائی ہوئی ہیں۔ اس لیے جنگوں، زلزلوں یا کسی اور قدرتی آفت کے آنے پر مذہبی تنظیمیں اور ان سے وابستہ افراد خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہو کر انسانی خدمت کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ مریضوں کو دوائیں دیتے ہیں، معذوروں کا علاج کرتے ہیں اور اجڑے ہوئے لوگوں کو آباد کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مالی ایثار بھی کھلے دل سے کرتے ہیں۔ آب رسانی، خوراک مہیا کرنا اور ایسے بہت سے

بھلائی کے کام کرتے ہیں ۔ یہ سب کچھ مشینری سے کیا جاتا ہے ۔ غیر سرکاری تنظیموں کے لوگ بھی یہ کام کرتے ہیں ،لیکن مذہبی لوگ خدمتِ خلق میں پیش پیش اور زیادہ سرگرم ہوتے ہیں ۔

مذہب کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ، وہ انسان کو نفسیاتی حوصلہ دیتا ہے ۔انسان بستر مرگ پر پڑا ہو۔تو دعا کر رہا ہوتا ہے کہ اے خدا! مجھ پر رحم فرما، میں بہت کمزور انسان ہوں ۔ مالی بحران کی صورت میں دوسرے اس کی مدد کو آتے ہیں ۔ مذاہب میں آمدنی کا ایک خاص حصّہ غریبوں ، بیواؤں ، یتیموں ، مقروض اور نادار لوگوں کے لیے وقف ہوتا ہے ۔ اعزا کی موت کی صورت میں بھی مذہبی لوگ قدرے پُر سکون رہتے ہیں کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ موت برحق ہے اور خدا کی طرف سے اٹل ہے ۔ مریض اس لیے صبر سے بیماری کا سامنا کرتا ہے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ خدا سے محبت اور اس کے احکام کی تعمیل کی جائے تو سب کچھ آسان ہوجاتا ہے، نیز مذہبی حلقوں میں یہ یقین بھی پختہ ہے، کہ بیماری کے ذریعے ان کے گناہ کم ہوتے ہیں ۔

مشکلات اور مصائب میں انسان خدا کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے ۔ عبادت گاہوں میں لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے ۔ دعائیں کثرت سے مانگی جاتی ہیں ۔ ایثار، قربانی اور دوسروں کی مالی مدد کا جذبہ بڑھ جاتا ہے ۔ خشک سالی جیسے بحران میں سب انسان آبادیوں سے باہر آ کر گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگتے ہیں ۔ یہ دعائیں ایک بڑا نفسیاتی سہارا بھی ہیں ۔ تقدیر پر ایمان انھیں صبر اور اطمینان کی نعمت بخشتا ہے ۔ اسی طرح موت کے برحق ہونے اور اس کے وقت مقررہ کے بارے میں یقین سے انسان جیتے جی مرنے سے بچا رہتا ہے ۔

تمام مذاہب ہمیں امید کا درس دیتے ہیں ۔ جب آدمی مایوس ہوجائے ،تو اُسے کئی قسم کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مثلاً ، دل کا دورہ ، پاگل پن، شریانوں کا پھٹ جانا وغیرہ ۔ مذاہب اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ جو مصیبت بھی آئی ہے، خدا اسے دُور کر دے گا، کیوں کہ یہ اسی کی طرف سے ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۔ اس طرح وہ ان انتہائی مشکل صورتِ حال میں بھی مطمئن اور پُرسکون رہتا ہے ۔ جب کہ مذہب سے دُور شخص مصیبت سے نجات پانے کے لیے کوئی انتہائی قدم اُٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ بعض اوقات خودکشی کر کے جان سے گزر جاتا ہے ۔ افراد کی طرح قومیں بھی بڑے بڑے بحرانوں کا شکار ہوتی ہیں ۔ مثلاً ، سیاسی بحران ، جنگ کا مسلط ہونا، فکری بے راہ روی ، جہالت کا دور دورہ وغیرہ ۔ ایسے مواقع پر مذاہب رہنمائی کرتے ہیں اور صبر و حوصلے سے مشکلات کا سامنا کرنے کا درس دیتے اور حوصلہ عطا کرتے ہیں اور جو قومیں خدا سے مدد طلب کرتی ہیں ۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے اور وہ مشکلات پر قابو پا لیتی ہیں ۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ مذہب مشکلات میں ایک فرد کی کیا مدد کرتا ہے؟

2۔ قومی بحرانوں میں مذہب کیسے کام آتا ہے؟

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ گوتم بدھ کا اس دنیا کے بارے میں کیا نظریہ تھا؟

2۔ دولت مند کو نیند کیسے آتی ہے؟

3۔ عرب بدوؤں کو کس خوبی نے بحران سے نکلنے میں مدد دی؟

4۔ شخصی زندگی میں کیسے بحران آتے ہیں؟ صرف نام لکھیں۔

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ بدتر حالات میں .... ایک بڑا اسہارا بنتا ہے۔

(ا) مذہب (ب) روپیا پیسا (ج) قبیلہ (د) توکّل

2۔ تمام مذاہب .... کا درس دے کر مایوسی کے اندھیروں سے نکالتے ہیں۔

(ا) خودی (ب) خداشناسی (ج) یقین کامل (د) امید

3۔ مذہب انسانی کردار میں .... پیدا کرتا ہے۔

(ا) رحم دلی اور ہمدردی (ب) ایثار اور سخاوت (ج) خدمت خلق کا جذبہ (د) ا، ب، ج

4۔ کسی بھی قومی بحران میں مذہب .... کا درس دے کر مشکلات سے نکالتا ہے۔

(ا) صبر و حوصلہ (ب) توکّل (ج) خودداری (د) خدمتِ خلق

(د) صحیح جملے کے سامنے "ص" اور غلط کے سامنے "غ" لگایئے۔

1۔ اخلاق انسانی معاشرے کی صحت بخش تعمیر کے لیے ضروری ہیں۔

2۔ اخلاق ہر انسان کا نجی معاملہ ہے۔

3۔ مذاہب اخلاقی اقدار کے علم بردار ہوتے ہیں۔

4۔ اخلاق ظلم کی بیخ کنی کرتے ہیں۔

5۔ شخصی اوصاف کا تعلق معاشرے سے نہیں ہوتا۔

(ہ) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ ایسی کہانیوں کا انتخاب کریں جن میں کوئی مصیبت کا مارا کسی اخلاقی سہارے کی وجہ سے بچ نکلا ہو۔ ایسی چند چیدہ چیدہ کہانیوں کا مجموعہ تیار کریں۔

(و) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ 2005 میں کشمیر اور بالاکوٹ میں آنے والے تباہ کن زلزلے سے طلبہ کو آگاہ کریں اور طلبہ کو بتائیں کہ پاکستانی قوم اس بحران سے کیسے نکلی؟ اس میں خدمتِ خلق، لوگوں کے حوصلے اور توکّل کا ذکر ضرور کریں۔

☆☆☆☆

گناہ اور جرم کا تصوّر

گناہ اور جرم کا وجود ازل سے انسان کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور وہ تاریخ کے کسی بھی دَور میں اس تصوّر سے پوری طرح چھٹکارا نہیں پا سکا۔ گویا یہ دونوں انسان کی فطرت اور سرشت میں داخل ہیں۔ اس لیے انسان اور جرم و گناہ ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کے ایک ساتھ رہنے سے ایک دوسرے پر انحصار بڑھتا ہے، تو حقوق و فرائض کی ابتدا ہوتی ہے، اور جب حقوق پوری طرح ادا نہ کیے جائیں یا فرائض میں کوتاہی کی جائے تو حق تلفی وجود میں آتی ہے اور یہیں سے گناہ اور جرم جنم لیتے ہیں۔

گناہ اور جرم کے محرکات کیا ہیں؟ اور انھیں کم کرنے میں مذہب کیا کردار ادا کرتا ہے؟ اس سلسلے میں ماہرین کی آرا مختلف ہیں۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ جب انسانی ضروریات بڑھ جائیں، مہنگائی آسمان سے باتیں کرنے لگے، وسائل کم ہو جائیں اور انسان تھوڑے پر راضی نہ رہے تو انسان ناجائز ذرائع سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے لگتا ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ انسان کی صرف تفریحِ طبع بھی جائز حدود سے بڑھ جائے، تو انسان تہذیب اور قانون کے دائرے سے نکل کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح وہ گناہ اور جرم کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس دلدل میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔

انسانی زندگی میں صحیح اور غلط، جائز اور ناجائز نیز گناہ و ثواب کے تصورات بھی مختلف ہیں۔ ایک معاشرے میں جو کردار اچھا سمجھا جاتا ہے، وہی کردار دوسرے ماحول میں قابلِ مذمت قرار پاتا ہے۔ بعض رسم و رواج بے شک غلط بھی ہوں، وہ معاشرے میں رواج پا جائیں، تو ایک مدت کے بعد انھیں اپنانے میں قباحت محسوس نہیں کی جاتی۔ اس کے باوجود کچھ اخلاقی خوبیاں اور خامیاں ایسی ہیں جن پر بہت سی قوموں اور مختلف معاشروں کا اتفاق ہوتا ہے اور یہی مذہب کے مقرر کردہ اصول ہیں۔

تمام مذاہب میں ایسی برتر ہستی کا تصور پایا جاتا ہے، جو نہ صرف انسان اور پوری کائنات کی خالق بھی ہے اور اسے چلا بھی رہی ہے الہامی مذاہب کی یہ قدر مشترک ہے کہ انسان اپنے خالق کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اسی طرح مذہب زندگی گزارنے کا لائحۂ عمل دیتا ہے اور اصول و ضوابط بھی۔ جنھیں کروڑوں انسان آج بھی تسلیم کرتے ہیں اور کروڑوں ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔ بہت سے ممالک ان مذہبی ہدایات کے مطابق قانون سازی بھی کرتے ہیں۔ مذہب کچھ کام کرنے کے احکام دیتا ہے اور کچھ کاموں پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ان قوانین یا اصول و ضوابط کی خلاف ورزی گناہ ہوتی ہے۔

سماجی تحفظ کے لیے انسان تہذیبی دائروں میں رہ کر جو قانون سازی کرتا ہے۔ ان قوانین کی خلاف ورزی گناہ بھی ہوگی اور جرم بھی۔ اگر کسی ملک کا قانون مذہبی ہدایات و احکام سے الگ ہے، تو ایسے قانون کی خلاف ورزی اسی صورت میں جرم ہوگی جب قانون نے اس جرم کی سزا بھی مقرر کی ہو۔ گویا گناہ کا تعلق الٰہیات سے ہے اور اس کی سزا بھی موت کے بعد ہوگی جب کہ ملکی قوانین کی خلاف ورزی کی سزا ملک کا قانون اسی دنیا میں دیتا ہے۔

گناہ اور جرائم کی جڑیں انسانی فطرت میں گہرائی تک اتری ہوئی ہیں، اگر کسی معاشرے کا بڑا حصہ مذہبی احکام کا پابند ہے اور اس کی اقدار پر ایمان رکھتا ہے، تو اس معاشرے میں جرائم کی شرح کم ہوگی۔ اس لیے کہ خدا خوفی اسے اُس وقت بھی غلط کام سے روکتی ہے،

جب اسے دوسرا کوئی انسان نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ موقع ملنے کے باوجود دوسروں کی حق تلفی نہیں کرتا، چوری اور بد دیانتی سے باز رہتا ہے۔ کسی مجبوری یا تحسین کے بغیر رفاہ عامہ کے کام صرف نیکی سمجھ کر کرتا ہے' اگر اس سے غلطی سرزد ہوجائے' اور وہ کوئی ایسا کام کر بیٹھے جو مذہبی یا ملکی قوانین کے خلاف ہو، تو گواہ نہ ہونے کے باوجود اس کے ضمیر پر بوجھ بن جاتا اور وہ اس کی تلافی کی کوشش کرتا ہے۔ گناہ کے ساتھ معافی کا تصور توبہ سے مشروط ہے۔

جرائم کا انسداد کیسے ہو؟ یہ ہر ملک، ہر قوم اور پوری انسانیت کے لیے اہم سوال ہے۔ قتل، ڈاکے، اغوا، دھوکے بازی اور عزت برباد کرنے سے لے کر غیبت، بدکاری، حسد، بغض اور کینہ پروری تک سیکڑوں قسم کے جرائم اور گناہ کیے جارہے ہیں۔ آخر اس بین الاقوامی مرض کا حل یا علاج کیا ہے؟ اس کا تدارک دو طرح سے ممکن ہے۔

مذاہب کے مطابق اس کائنات کو بنانے والی بزرگ و برتر ہستی کے قانون کو تسلیم کیا جائے، جس میں نہ صرف انسان کی جان، مال اور عزت و آبرو کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے، بلکہ کڑی سزاؤں کے ذریعے سے جرائم کی بیخ کنی بھی کی جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ مذاہب میں عدل وانصاف پر زور دیا گیا ہے اگر عدل اور انصاف کے ضابطوں پر عمل کیا جائے تو جرائم نہایت کم ہوجاتے ہیں اور اگر غیر الہامی مذہب کی اخلاقی تعلیمات پر سچے دل سے عمل کرایا جائے، تو بھی نتائج بہتر ہوسکتے ہیں، مگر جرائم روکنے کے لیے سزا کا ہونا ضروری ہے۔ عملی دنیا میں اس کے بغیر جرائم کم نہیں ہوسکتے۔ اس لیے جرم و گناہ پر قابو پانے کے لیے مذہب کی ہمیشہ اشد ضرورت رہے گی۔

مذاہب اس لحاظ سے بھی گناہ اور جرم کو روکنے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں، کہ انسان کے اندر جواب دہی کا احساس یقینا موجود ہوتا ہے، اور وہ موت کے بعد بڑی سزا سے بچنے کے لیے تنہائی اور سازگار مواقع ملنے پر بھی جرائم اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں تک دیگر قوانین کا تعلق ہے، تو ایک ذہین مجرم قانون کو توڑتا ہے اور قانون کی گرفت میں بھی نہیں آتا۔ بعض اوقات تو قانونی تشریحات بھی اُسے سزا سے بچالیتی ہیں۔ دوسرا طریقہ انسان کے بنائے ہوئے ان قوانین پر سختی سے عمل کرانا ہے، جو کسی ریاست یا قوم کے باشندوں کے لیے اور بین الاقوامی سطح پر تمام قوموں کے لیے بنائے گئے ہیں، اگر ہر ملک اپنی حدود اور اقوام متحدہ دنیا بھر میں قانون کی عملداری کرائے اور انصاف کے تقاضے پورے کرے، تو بے شک سو فیصد جرائم کو ختم تو نہیں کیا جاسکتا، مگر انھیں بڑی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک فلاحی معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ جرائم کیوں ہوتے ہیں؟ اس بارے میں مختلف نظریات کا جائزہ لیں۔

2۔ جرائم کی بیخ کنی میں مذہب کا کردار پیش کریں۔

3۔ جرائم کی شرح کم کرنے کے لیے چند تجاویز تحریر کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ حقوق و فرائض میں توازن نہ رہے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

2۔ گناہ اور جرم میں کیا فرق ہے؟

3۔ تین ایسے بڑے جرائم کے نام لکھیں جو گناہ بھی ہیں۔

4۔ جرائم روکنے کے لیے تین قسم کے قوانین کے نام لکھیں۔

5۔ تین بڑے الہامی مذاہب کے نام لکھیں۔

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ گناہ اور جرم ______________

(ا) ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ (ب) ایک چیز ہیں۔

(ج) ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ (د) آپس میں کوئی تعلق نہیں۔

2۔ جرائم بڑھ جاتے ہیں جب ______________

(ا) وسائل کم ہو جائیں۔ (ب) ضروریات بڑھ جائیں۔

(ج) اخلاقی تعلیمات کم ہو جائیں۔ (د) وسائل زیادہ ہو جائیں۔

3۔ تفریح طبع کے لیے خریدے گئے آلات کچھ عرصے کے بعد ______________

(ا) اکتاہٹ پیدا کرنے لگتے ہیں۔ (ب) شوق کو بڑھا دیتے ہیں۔

(ج) ضرورت بن جاتے ہیں۔ (د) بیکار ہو جاتے ہیں۔

4۔ مذاہب کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو جرائم ______________

(ا) ختم ہو جاتے ہیں۔ (ب) کم ہو جاتے ہیں۔

(ج) جوں کے توں رہتے ہیں۔ (د) پیدا ہونا بند ہو جاتے ہیں۔

5۔ جرائم کے خاتمے کے لیے سزا ______________

(ا) منفی کردارادا کرتی ہے۔ (ب) کوئی کردارادانہیں کرتی۔

(ج) مثبت کردارادا کرتی ہے ۔ (د) ایک حد تک مفید رہتی ہے۔

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ حق تلفی ....کوجنم دیتی ہے۔

2۔ ایک فعل جوایک معاشرے میں قابلِ تحسین ہے وہ دوسرے میں ....ہوسکتا ہے۔

3۔ تمام الہامی مذاہب میں ایک برتر...............................کا تصور موجود ہے۔

4۔ عدل سے کام نہ لیا جائے تو جرائم ....جاتے ہیں۔

5۔ قانون کی عمل داری سے جرائم ....جاتے ہیں۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ جرائم کی وجوہات کیا ہوتی ہیں۔اس موضوع پرایک گروہی مباحثہ کریں۔

2۔ ''ندامت گناہوں کی دھودیتی ہے''اس موضوع پراپنے استادِ محترم یا کسی بزرگ سے کوئی واقعہ پوچھ کردوسروں کو بتائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

اخبارات کی جرائم کی رپورٹیں ملاحظہ کریں اورطلبہ کوان کی وجوہات سے آگاہ کریں۔

☆☆☆☆

باب
2

مہاویر

حالاتِ زندگی:

مذاہب کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی انسانی تاریخ کیوں کہ تاریخ کا کوئی دَور مذہب سے خالی نہیں رہا۔ اگر تاریخِ مذاہب کا مطالعہ کیا جائے، تو تقریباً چار، پانچ ہزار سال قبل مسیح کا دور مذاہب کے لیے نہایت اہم دکھائی دیتا ہے۔ اس دور میں دنیا کے مختلف خطوں میں ایسی نامور شخصیات پیدا ہوئیں، جنھوں نے مذہبی تحریکوں کے ذریعے انقلاب پیدا کیے۔ چین میں کنفیوشس پیدا ہوئے اور کنفیوشی مذہب کے بانی قرار پائے۔ ایران میں زرتشت پیدا ہوئے اور وہ زرتشت مذہب کے بانی بنے۔

ہندوستان میں عظیم فکری، فلسفیانہ مذہبی اور سماجی ابھار کا دور اجاگر ہوا۔ ایک ایسا وقت آیا جب کھشتری ذات کے لوگوں نے برہمنوں (ہندوؤں کی اعلیٰ ذات) کے ثقافتی تسلط کی مخالفت کی، جنہوں نے اپنی فطری اوّلیت کی وجہ سے اختیار کا دعویٰ کیا ہوا تھا۔ خاص طور پر بڑے پیمانے پر ویدک قربانیوں (بلِی) کی مخالفت بڑھ رہی تھی جس میں بہت سے جانوروں اور انسانوں کا قتل شامل تھا۔ مسلسل پنر جنم کے نظریے کی مقبولیت کی وجہ سے، جو جانوروں اور انسانوں کو پیدائش، موت اور دوبارہ جنم کو ایک ہی چکر میں جوڑتا ہے، بہت سے لوگوں کے لیے غیر ضروری قتل قابل اعتراض بن گیا تھا۔ عورتوں کو خاوند کے مرنے کے بعد خاوند کی چِتا پر زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اِس رسم کو ستّی کہا جاتا ہے۔ معاشی عوامل نے بھی عدم تشدد کے نظریے کی حوصلہ افزائی کی۔ اِن تعلیمات کو برہمن اعتقادات کے مخالف سمجھا جانے لگا۔ برہمن مخالف فرقوں کے راہنماؤں کی تعلیمات سمجھا جانے لگا۔ مہاویر اور ان کے ہم عصر سدھارتھ گوتم بدھ اس تحریک کے دو عظیم رہنما تھے۔

ابتدائی زندگی:

مہاتما مہاویر نے بھارت کے صوبہ بہار کے شہر پٹنہ کے شمال میں 27 میل کے فاصلے پر واقع ایک قصبہ ویشالی میں 599 قبل مسیح (BCE) میں جنم لیا بلکہ ایک جدید رائے کے مطابق ویشالی کے پاس ہی ایک چھوٹی سی بستی کنڈ گرام تھی جہاں ان کے ماں باپ رہتے تھے اور یہیں انھوں نے جنم لیا۔ ان کے والد کا نام سدھارتھ تھا جو کھشتری ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ مہاویر کی والدہ کا نام ترشلا تھا اور وہ بھی کھشتری تھیں۔ گوتم بدھ کی والدہ کی طرح مہاویر کی والدہ کو بھی ان کی پیدائش سے پہلے بڑے عجیب وغریب خواب نظر آتے تھے، اس نے داناؤں سے ان کی تعبیریں پوچھیں تو انھوں نے یہی کہا کہ تمہارے گھر پیدا ہونے والا بچہ بڑا ہو کر دنیا کا عظیم بادشاہ بنے گا یا پھر روحانی شخصیت ہوگا۔ سدھارتھ اور ترشلا کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے۔ ان تینوں میں مہاویر سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے والد نے ان کا نام ''وردھمان'' رکھا جو آگے چل کر مہاویر کے نام سے مشہور ہوئے۔ قبائلی قوانین کے مطابق چونکہ

آپ اپنے والد کے سب سے بڑے بیٹے نہ تھے جس وجہ سے سرداری کے مستحق نہ ٹھہرے۔ مہاویر جوان ہوئے تو ان کی شادی کھشتری خاندان کی ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی یشودا سے کر دی گئی اور اس کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا۔ جس کی شادی آگے چل کر مہاویر کے ایک شاگرد جملی سے ہوئی۔

نفس کشی اور تپسیا:

تیس سال کی عمر میں جب ان کے والدین وفات پا گئے تو مہاویر نے اپنی پر تعیش زندگی کو یکسر ترک کر دیا اور سنیاس لے لیا۔ لباس اتار پھینکا اور صرف ایک دھوتی پہنے گھر سے باہر نکل گئے۔ انھوں نے سخت روزے رکھے اور جسمانی اذیتیں اٹھائیں اور سَل کے درخت (Sal Tree) کے نیچے مراقبہ کیا۔ ان کے والدین بھی دھرم کے لحاظ سے شری پارش ناتھ کے پیروکار تھے۔ مہاویر کی جین مت سے وابستگی نہ تو گوتم بدھ کی طرح کسی فکری بغاوت کا نتیجہ تھی بلکہ یہ سراسر خاندانی روایات کے مطابق تھی۔ بارہ سال تک مہاویر مسلسل سفر میں رہے اور نفس کشی (تپسیا) کرتے رہے جگہ جگہ گھومتے رہے۔ پہلے ایک سال تک تو ان کے بدن پر وہی ایک دھوتی رہی۔ اس کے بعد جب وہ نہ رہی تو پھر ننگ دھڑنگ ہی رہنے لگ گئے۔ اس دوران ان کی ملاقات گوشال (جو کہ بہت بڑا راہب تھا) سے ہوگئی اور ایک طویل عرصے تک ان دونوں کا ساتھ رہا اور دونوں اکٹھے ہی ریاضت اور نفس کشی میں مصروف رہے لیکن آہستہ آہستہ ان دونوں میں نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا اور بڑھتے بڑھتے اس اختلاف نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ دونوں میں نوبت لڑائی تک آن پہنچی بالآخر اس نزاع کا نتیجہ ہمیشہ کی جدائی ٹھہرا اور یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ گوشال نے اپنے ایک الگ فرقے ''آجیوک'' کی بنیاد رکھی۔

گیان کا حصول:

ریاضت کے تیرھویں سال جب مہاویر کی عمر 42 سال تھی تو اسے ''کیول گیان'' کا حصول ہوا۔ یعنی وہ عرفان احدیت کے مقام پر فائز ہو گیا اور اس عرفان کی بنا پر وہ جینا ''یعنی (فاتح) بن گئے۔ زندگی کے دکھوں کا فاتح یا دو نیاوی، حرص و ہوس کا فاتح۔ اسی جینا سے جین بنا اور اس سے پھر جین مت، جب اسے یہ گیان حاصل ہوا تو اس وقت وہ ایک درخت کے نیچے سر کے بل الٹا لٹک کر ریاضت کرنے میں مشغول تھے۔ اب اسے اپنی منزل مل چکی تھی۔ یہیں سے ان کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اب وہ ایک مذہبی مبلغ اور مذہب کے بانی کی حیثیت سے ابھرے۔ پہلے اس کے ماننے والوں کو ''نرگرنتھا'' کہا جاتا تھا یعنی ''ہر قسم کی بندشوں سے آزاد'' لیکن اب یہ نام متروک ہوا اور اس کی جگہ ''جین یعنی جینا'' کے ماننے والے مستعمل ہونے لگا۔ جینیوں کا ماننا ہے کہ مہاویر کے پاس سب سے پاکیزہ جسم تھا اور جب اس نے علم (گیان) حاصل کیا تو وہ اٹھارہ خامیوں سے پاک تھے۔

جین مت کا پرچار (تبلیغ):

مہاویر کی تیس سالہ تبلیغی زندگی کے متعلق کچھ زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہوسکیں۔ تاہم وہ اپنے عقیدے اور مذہب کا پرچار کرتے ہوئے شہر شہر گاؤں گاؤں گھومتے رہے اور اپنے پیروکاروں میں اضافہ کرتے رہے لیکن اس قدر پتا ضرور چلتا ہے کہ وہ زیادہ تر جنوبی اور شمالی بہار کے ہر بڑے شہر کا چکر ضرور لگاتے رہے اور ان کا زیادہ آنا جانا مگدھ اور ان کے اس کے قریبی علاقوں میں رہا کیونکہ مگدھ کے راجہ اور اس کے عزیز و اقربا نے ان کے ساتھ جو عمدہ برتاؤ کیا ان کا تذکرہ جین مت کی کتابوں میں موجود ہے اور اس سلوک یا

برتاؤ کا نتیجہ تھا کہ لوگ ان پر فوری طور پر ایمان لے آئے۔ مہاویر نے روحانیت میں نروان کا درجہ ملنے کے بعد تیس سال تک اپنے مذہب کا پرچار کیا۔ سویتامبر (Svetambara) فرقے کے مطابق، اس نے علم حاصل کرنے کے بعد تیس سال تک اپنا فلسفہ سکھانے اور اپنی تعلیمات پھیلانے کے لیے ہندوستان بھر کا سفر کیا۔ جس میں پاکستان کے مشہور شہر سیالکوٹ اور بھیرا بھی شامل ہیں۔ تاہم دگمبر فرقے کا خیال ہے کہ وہ اپنے ساوا سارن میں رہے اور اپنے پیروکاروں کو وعظ کرتے رہے۔

مہاویر کے ہم عصر مذہبی راہنما

مہاویر اور گوتم بدھ:

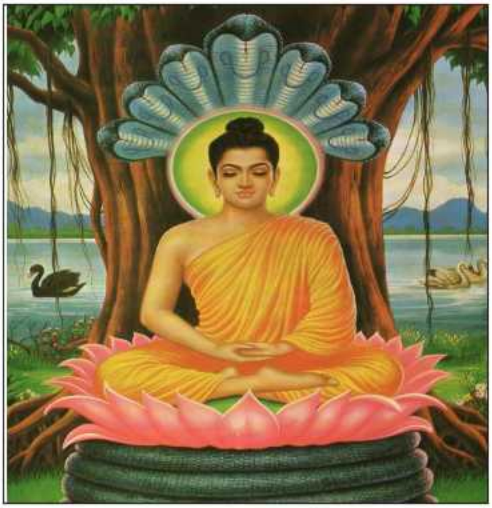

جین مت اور بدھ مت دونوں ایک ہی وقت میں ظہور میں آئے ان دونوں میں اس عہد کے ذہنی انقلاب کی عکاسی پائی جاتی ہے یہ دونوں مذہب برہمن مت کے خلاف بغاوت کا مظہر ہیں۔ دونوں رہنماؤں نے تقریباً ایک ہی عمر کے حصّے میں دُنیا کو ترک کیا اور راہبانہ زندگی اختیار کی۔ دونوں رہنماؤں نے ''ترک دُنیا'' کے فلسفے کو بنیادی اہمیت دی یہ دونوں ذات پات کے نظام کے سخت خلاف تھے اور دونوں مذاہب میں مساویانہ درجے کو نمایاں حیثیت دی گئی۔ دونوں رہنماؤں نے ''اہنسا'' کے اصول کو یکساں طور پر تسلیم کیا۔ ان دونوں نے اپنی مذہبی فکر و فلسفے کی بنیادیں قدیم اپنشدوں کے فلسفے پر رکھیں۔ اس کے عقائد میں یہ نظریہ بنیادی حیثیت کا حامل تھا کہ انتہائی بے جان چیز بھی زندگی کی حامل ہے اور وہ دوبارہ زندہ ہونے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔

یہ عقیدہ آج بھی جین مت کا بنیادی نصب العین ہے مگر بدھ مت کی تعلیمات سے یہ نظریہ بالکل مختلف ہے۔ مہاویر نے رہبانیت کو بھی زبردست فروغ دیا اور اس نے نفس کشی کی مشکل ترین صورتوں میں ہی نجات کا راستہ تلاش کیا۔ اس لئے اس نے مکمل نجات کے لئے عریانی اور خود کو ایذا پہنچانے کے لئے طرح طرح کی تکالیف اور فاقوں سے خود کو ختم کرنے کی تعلیمات دیں۔ گوتم بدھ کا نظریہ تھا کہ کسی بھی جاندار کے شکار سے احتراز کیا جائے لیکن مہاویر یہاں بھی انتہائی اصرار کرتے نظر آتے ہیں۔ یعنی وہ انسانوں کی نسبت جانوروں اور پودوں کی حفاظت پر زیادہ زور دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی سے واضح ہوتا ہے کہ بدھ مت اور جین مت دونوں میں زبردست اختلاف موجود ہے۔ لیکن یہ دونوں مذہب ایک دوسرے کو اذیت دیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

مہاویر اور گوشال:

مہاویر کا سب سے زیادہ مخالف گوشال تھا اگرچہ عقائد میں وہ مہاویر سے مختلف تھا لیکن کچھ عقائد میں وہ مہاویر سے بڑی مماثلت کا حامل تھا۔ مثلاً ہمیشہ ننگے رہنا اور تمام دنیاوی آسائشوں کو تیاگ دینا (ترک کر دینا)۔ یہ سب جین مت کا نصب العین تھا۔ جین مت کی

کتابوں میں اس بات کا اعتراف موجود ہے کہ گوشال کے پیروکاروں کی اکثریت سراوستی میں موجود تھی اگر چہ مہاویر اور گوشال کی ملاقات گوشال کے مرنے سے تھوڑا عرصہ ہی پہلے ہوئی تھی۔ جین مت کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ مہاویر نروان کے درجہ پر فائز ہونے کے بعد سولہویں سال جب سراوستی پہنچے تو ان کی ملاقات ان کے حریف گوشال سے ہوئی۔ اس واقعہ کے چند دن بعد گوشال فوت ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آخری ایام میں انتہائی ذہنی معذروی کا شکار ہو چکا تھا جو سراسر اس کی ندامت اور پچھتاوے پر مبنی تھی۔

مہاویر اور جملی:

اس زمانے میں جین مت متعدد تبدیلیوں کا شکار ہو چکا تھا کہا جاتا ہے کہ مہاویر کو نروان کا درجہ تفویض ہونے کے چودھویں سال ان کے داماد جملی نے مہاویر کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور اس کے دو سال بعد ایک اور جین مت کے راہب نے بھی مہاویر کے فلسفہ و فکر کے خلاف زبردست تحریک چلائی لیکن یہ دونوں تحریکیں بہت جلد اپنی موت آپ ہی مر گئیں اور یہ مہاویر کے فلسفہ وفکر کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ جملی مہاویر کے وفات پانے تک ان کے خلاف اپنے موقف پر قائم رہا۔

مہاویر کا نروان (موکشا):

پانی پر بنا سفید مندر پاواپوری بہار (ہندوستان) میں بھگوان مہاویر کا جل مندر (پانی کا مندر) ہے۔ جل مندر میں ''چرن پڑوکا'' یا مہاویر کے قدموں کا نشان ہے۔ جین مت کے مطابق مہاویر کا نروان (موت) موجودہ بہار شہر قصبہ پاواپوری میں ہوا تھا۔ ان کے نروان کی رات کو جین دیوالی کے طور پر مناتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے چیف شاگرد گوتم نے اس رات علم حاصل کیا تھا جس رات مہاویر نے پاواپوری سے نروان حاصل کیا تھا۔ جنا سینا کے مہاپوران کے مطابق آسمانی مخلوق اس کی آخری رسومات ادا کرنے کے لیے پہنچے۔ دگمبر فرقہ کی روایت کا پرواچنا سرا کہتا ہے کہ تیرتھنکروں کے صرف ناخن اور بال پیچھے رہ جاتے ہیں۔ باقی جسم کافور کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ کچھ تحریروں میں ہے کہ جب مہاویر 72 سال کی عمر کے ہوئے تو لوگوں کے ایک بڑے گروہ کو چھ دن کی مدّت کی اپنی آخری تبلیغی تعلیم بیان کر رہے تھے۔ جب ہجوم سو گیا تو وہ غائب ہو گئے تھے، بیدار ہونے پر ہجوم نے دیکھا کہ صرف ان کے ناخن اور بال رہ گئے تھے، جنھیں اس کے پیروکاروں نے آخری رسومات ادا کرنے کے طور پر جلا دیا۔

جین مت کا ماننا ہے کہ مہاویر کا نروان 527 قبل مسیح (BCE) میں ہوا تھا، جین مت کی روایتوں میں اس کا جیوا (روح) سدھا شیلا (آزاد روحوں کا گھر) میں رہتا ہے۔ مہاویر کا جل مندر اس جگہ کھڑا ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نروان (موکش) حاصل کیا تھا۔ جین مندروں اور تحریروں میں فن پاروں میں اس کی آخری آزادی اور آخری رسومات کی تصویر کشی کی گئی ہے، بعض اوقات اسے علامتی طور پر چندن کی ایک چھوٹی چِتا اور جلتے ہوئے کافور کے ٹکڑے کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔

مہاویر کی وفات:

مہاویر اپنے زبردست مخالف گوشال کی وفات کے سولہ سال بعد تک زندہ رہا اور 72 سال کی عمر میں اس نے صوبہ بہار کے شہر "پاواپوری" کے مقام پر راجہ ہستی پال کے محل میں مرن بھرت رکھتے ہوئے اپنی زندگی ختم کر لی تھی۔ یہ جگہ آج کل جین مت کے پیروکاروں کے لئے ایک مقدس تیرتھ یا زیارت گاہ کا درجہ رکھتی ہے۔

مہاویر کی تعلیمات

جین فلسفہ نوآبادیاتی دور کے ماہرین ہندجین مت اور مہاویر کے پیروکاروں کو بدھ مت کا ایک فرقہ سمجھتے تھے کیونکہ نقش نگاری اور مراقبہ اور سنیاسی طریقوں میں سطحی مماثلت رکھتے تھے۔ جیسے جیسے تحقیق اور علم کی ترقی ہوتی گئی، مہاویر اور بدھ کی تعلیمات کے درمیان فرق اس قدر مختلف پایا گیا کہ ان مذاہب کو الگ الگ تسلیم کرلیا گیا۔ اُن دور کے عالم موریز ونٹرنز کہتے ہیں کہ مہاویرا نے روح پر بہت وسیع عقیدہ سکھایا (بدھ مت کے ماننے والوں کے برعکس جنھوں نے اس طرح کی تفصیل سے انکار کیا)۔ ان کی سنتوں کی تعلیمات بدھ مت یا ہندودھرم کے مقابلے میں اعلیٰ ترتیب ہے، اور اَہِنسا (عدم تشدد) پر ان کا زور دوسرے ہندوستانی مذاہب سے زیادہ ہے۔ اصولی صحیفے بارہ حصوں میں ہیں۔ مہاویر کی تعلیمات تقریباً 300 قبل مسیح کے بعد آہستہ آہستہ مدھم ہوتی چلی گئیں، جین روایت کے مطابق جب مگدھ کی سلطنت میں شدید قحط نے جین راہبوں کو منتشر کردیا تو بعد میں آنے والے راہبوں کی طرف سے جمع کرنے، سنت کی تلاوت کرنے اور اسے دوبارہ قائم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ان کوششوں نے مہاویر کی تعلیمات کی تلاوت میں اختلافات کی نشاندہی کی، اور 5ویں صدی عیسوی میں اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ مفاہمت کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔ عام دور کی ابتدائی صدیوں (BCE) میں مہاویر کی تعلیمات جین مت نے کھجور کے پتوں کے مخطوطات پر لکھے تھے۔

اَہِنسا (عدم تشدد یا عدم چوٹ):

مہاویر نے سکھایا کہ ہر جاندار کی حرمت اور وقار ہے جس کا احترام کیا جانا چاہیے جیسا کہ ہر کسی کی توقع ہے کہ اس کی حرمت اور وقار کا احترام کیا جائے۔ اَہِنسا جین مت کی پہلی اور اہم ترین نذر، اعمال، تقریر اور سوچ پر لاگو ہوتی ہے۔

ستیہ (سچائی): اپنے آپ اور دوسروں پر لاگو ہوتا ہے۔

استیہ (چوری نہ کرنا): کوئی ایسی چیز نہ لینا جو نہ دی گئی ہو۔

برہماچاریہ (عفت): راہبوں کے لیے جنسی اور جنسی لذتوں سے پرہیز، اور گھر والوں کے لیے اپنے ساتھی کے ساتھ وفاداری ہے۔

چکرورتی کے مطابق یہ تعلیمات ایک شخص کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے میں مدد کرتی ہیں۔ تاہم ڈنڈا اس لکھتے ہیں کہ مہاویر کے عدم تشدد اور تحمل پر زور دینے کی تشریح کچھ جین علما نے کی ہے کہ "دوسری مخلوقات کو دینے یا ہمدردی کرنے کی اہلیت سے متاثر نہ ہو، اور نہ ہی تمام مخلوقات کو بچانے کا فرض بلکہ "مسلسل خود نظم وضبط" سے روح کی صفائی جو روحانی ترقی اور رہائی کا باعث بنتی ہے۔ مہاویر کو ہندوستانی

روایات میں ان کی تعلیم کے لیے سب سے زیادہ یاد کیا جاتا ہے کہ اَہِنْسا اعلیٰ اخلاقی خوبی ہے۔ اس نے سکھایا کہ اَہِنْسا تمام جانداروں کا احاطہ کرتی ہے، اور کسی بھی وجود کو کسی بھی شکل میں زخمی کرنا برا کرما پیدا کرتا ہے (جو کسی کے پنرجنم، مستقبل کی بھلائی اور تکلیف کو متاثر کرتا ہے)۔

مہاویر کی تعلیم کے بنیادی عقائد:

جین مت کے بنیادی عقائد سات کُلیوں کی شکل میں بیان کیے جاتے ہیں جن کو سات حقائق (تتو یا) کہا جاتا ہے۔

1۔ **جیوا:** روح ایک حقیقت ہے۔

2۔ **اجیوا:** غیر ذی روح وجود ہے۔

3۔ **اسروتتو:** روح میں مادہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔

4۔ **بندھ تتو:** روح میں ملاوٹ روح کو مادہ کی قیدی بنا دیتی ہے۔

5۔ **سموا:** روح میں مادہ کی ملاوٹ کو روکا جا سکتا ہے۔

6۔ **نیرجرا:** روح میں موجود مادہ کا پہلے سے مادہ کو زائل کیا جا سکتا ہے۔

7۔ **موکش:** روح کی مادہ سے مکمل علیحدگی کے بعد موکش حاصل ہو سکتا ہے۔

عقائد کی تفصیلات:

1۔ جین مت میں خالق کائنات (خدا) کا کوئی واضح تصور موجود نہیں ہے۔ جینیوں کے نزدیک خدا انسان کے کاموں اور نیک قوتوں کا ہی ایک جامع مظہر ہے۔

2۔ مہاویر نے انسانی زندگی کو دو حصوں میں بانٹا ہے۔ (1) روحانی (2) مادی

ان کے نزدیک روحانی زندگی غیر فانی ہے اور مادی زندگی فانی ہے۔ اس لئے مادی زندگی کو چھوڑ کر روحانی زندگی اپنانے پر زور دیا گیا ہے۔ ان کے خیال میں انسان میں نیکی اور بدی کی دونوں قوتیں ازل سے ہی سرگرم عمل ہیں۔

3۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر انسان سچی خوشیوں کا حصول چاہتا ہے۔ تو وہ دنیاوی اور نفسانی خواہشات کو یکسر ختم کر دے اس لیے جین مت میں نفس کشی کی تعلیم کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔

4۔ مہاویر کے نظریے کے مطابق ہر ذی روح زندگی کا حامل ہے۔ اس لیے کسی بھی جاندار کو تکلیف نہ دینے کی تاکید کی گئی ہے اور ان کا یہ نظریہ کہ ہر جاندار اور غیر جاندار جیسے درخت، پہاڑ وغیرہ میں بھی روح موجود ہے جو ان کو کوئی تکلیف وغیرہ پہنچنے پر تڑپ جاتی ہے، آج کے دور میں حرف بہ حرف درست ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے جینی کسی بھی جاندار کو نہیں مارتے ہیں اور نہ ہی اسے کوئی تکلیف ہی دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پانی بھی چھان کر پیتے ہیں اور اپنی ناک پر کپڑا رکھ کر سانس لیتے ہیں۔ تاکہ کوئی جان دار ان کے جسم میں داخل ہو کر مر نہ جائے اس نظریے کو جین اصطلاح میں ''اَہِنْسا'' کہا گیا ہے۔

5۔ ان کے خیال کے مطابق روحانی عروج اور نجات کا یہی راستہ ہے کہ انسان تمام دنیاوی علائق کو یکسر ترک کرے، نفس کشی کو اولین ترجیح دے، اس کے لیے فاقہ اور اذیت کوشی کا طریقہ اپنائے اور یہاں تک کہ وہ اپنی اس فانی زندگی کو ختم کر ڈالے۔ یہی ان کے نزدیک نجات کا بہترین راستہ ہے۔

6۔ ان کے نزدیک تمام ویدنا قابل عمل تھے اور جین مت کے پیروکار برہمنوں کے ذات پات کے نظام کے بھی سخت مخالف تھے۔ علاوہ ازیں جینی آواگون (تناسخ) کے بھی قائل نہیں ہیں۔

7۔ مہاویر کے نظریہ کے مطابق روح کو جسمانی قید سے رہائی دلوا کر ہی اسے روحانیت کے بلند واقع مقام پر پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے دریافت (تپسیا) پر کاربند ہونا لازمی قرار دیا گیا۔

نروان (نجات) کے حصول کے طریقے:

جس دور میں مہاویر پیدا ہوئے اس وقت سب سے اہم مسئلہ نروان کا حاصل کرنا تھا۔ مہاویر نے نروان کے حصول کے لیے دو طریقے سلبی اور ایجابی بیان کیے ہیں۔ نروان کے حاصل کرنے کا سلبی طریقہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات اور آرزوئیں نکال دے۔ کیونکہ خواہشات اور تمنائیں ہی مصائب اور رنج کا باعث ہوتی ہیں۔ جب انسان کی خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ غم سے دوچار ہوتا ہے۔ جب خواہش ہی نہ ہوگی تو روح مسرت اور خوشی سے ہمکنار ہوگی اور قلبی مسرت اور راحت ہی نروان ہے۔

مہاویر کے نزدیک نروان کے حصول کا ایجابی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے عقائد علم اور عمل صحیح اور درست ہوں۔ انھیں تین رتن کہا جاتا ہے۔ اعمال کی درستی کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی۔

1۔ اہمسہ (Ahimsa) یا آزادی یعنی کی ذی روح کو تکلیف نہ دی جائے جس طرح انسان کا اپنا وجود محترم اور عزیز ہوتا ہے اسی طرح دوسروں کو بھی سمجھنا چاہیے۔

2۔ ستیام (Satham) یا راستی۔ ہمیشہ راستی کو اپنا شعار بنایا جائے اور دوسروں کے اموال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

3۔ استام (Asteyam) یا چوری سے اجتناب۔ حلال روزی کمائی جائے اور دوسروں کے اموال کو ناجائز طریق سے حاصل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

4۔ برہم اچاریہ (Brahma Charya) یعنی عفت۔ پاکدامنی کی زندگی بسر کی جائے۔

5۔ اپری گواہیہ (Apari Graha) یعنی لذت مادی۔ حواس خمسہ یعنی سننے، دیکھنے، سونگھنے اور چکھنے پر مکمل طور پر غلبہ اور ہونا چاہیے کیونکہ یہی حواس انسان کو مادی لذات کی وادی میں گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔

جینی عدم تشدد کی حدود بہت وسیع ہیں۔ ان کی رو سے صرف ذی روح کو ایذا دینا منع نہیں کیا گیا، بلکہ غیر ذی روح کو بھی نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے۔ جین مت کسی مافوق الفطرت تخلیقی قوت کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک خدا انسان کی روح میں مضمر استعدادوں اور صلاحیتوں کی جلا تکمیل اور اظہار کا دوسرا نام ہے۔ مہاویر وید کے نظریہ روح کے بھی مخالف تھے۔

مہاویر کے بعد جین مت:

مہاویر کا تمام فلسفہ تہذیب نفس، ترک خواہشات اور رہبانیت پر مبنی ہے۔ ان چیزوں کے لیے کسی معبد کی ضرورت نہیں۔ اسی وجہ سے شروع میں جین مت میں عبادت کے لیے مندروں وغیرہ کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ بعد میں عبادت خانے تعمیر ہوئے۔ ان میں

ترتھینکروں کی مورتیاں رکھی گئی۔ تیرتھینکروں کی مورتیاں بہت لمبی بنائی جاتی تھیں۔ عموماً ان کو برہنہ بناتے تھے بعض مورتیاں بیٹھی ہوتی اور بعض کھڑی ہوتی تھیں۔ شروع میں نہ ان کی پرستش کی جاتی تھی اور نہ ان کو مقدس سمجھا جاتا۔ گزرتے زمانے کے ساتھ ان کی پرستش شروع ہو گئی۔ سویتامبروں میں ایک فرقہ ''ڈھونڈھیا'' ہے جو بت پرستی نہیں کرتا۔

جین مذہب ہمیشہ ہندوستان تک محدود رہا۔ اس مذہب کا مگدھ میں بڑا زور تھا۔ لیکن جب موریہ خاندان کے عہد کے بعد میں اس کو وہاں زوال ہوا تو اُجین اور متھرا میں اس نے عروج پکڑا۔ دکن میں شنکراچاریہ کے زمانہ میں اس کا تنزل ہوا۔ اب گجرات جینیوں کا مرکز سمجھا جاتا ہے اس صوبہ میں ''کوہ ابو'' پر اس کے عالیشان مندر ہیں جن کا شمار ہفت عجائبات ہند میں ہوتا ہے۔

اس مذہب کے ماننے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو ''سرادک یا گرہستھ'' جو عائلی زندگی بسر کرتے ہوئے جین مذہب کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے ''شرامن یا سادھو'' جو راہبانہ زندگی گزارتے ہیں اور جماعت (سنگھ) بنا کر جین مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔

مہاویر کی تعلیمات کے چند نمایاں پہلو

1۔ خود ضبطی:

جین مت نفس کُشی کو انسان کا اہم فریضہ قرار دیتا ہے اور نفس کُشی یا خود ضبطی تین قسم کی ہے:

- ☆ **دماغ کا ضبط(Control Over Brain):** اپنے جذبات پر قابو رکھنے سے سکون حاصل ہوتا ہے اور دھیان جما کر مشق کرنے سے ذہنی سکون اور دماغ کا ضبط حاصل کیا جاسکتا ہے۔
- ☆ **زبان کا ضبط(Control Over Tongue):** زبان کو استعمال نہ کرنا زبان کا ضبط کہلاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مختلف اوقات میں وقفوں وقفوں سے خاموش رہنے کی مشق کرنا ہوتی ہے۔
- ☆ **جسم کا ضبط(Control Over Body):** جسم کے ضبط کے لیے بھوک پیاس، موسم کی سختی اور دیگر ایسے مراحل سے گزرنا ضروری ہے جو مشکل وقت میں پیش آسکتے ہیں۔ اس کے لیے بھوکا پیاسا رہنا، سخت بستر پر سونا اور موسم کی سختیاں برداشت کرنے کی مشق کرنا ضروری ہے۔

جین مت کا عقیدہ ہے کہ فطرت کو تابع بنانے کے لیے جسم کو ایسے تیار کیا جائے، کہ وہ قطبین کی سردی اور منطقہ حارہ کی گرمی برداشت کر سکے اور ہر قسم کی سختیاں برداشت کرنے کا عادی ہو جائے۔ ایک جین کے لیے بہادر، جفاکش اور محنتی ہونا ضروری ہے اور ایسا آدمی کڑے حالات میں مشکلات کا سامنا کر کے ہی ہو سکتا ہے۔

2۔ اہِنسا:

جین مت کی تعلیمات میں اہِنسا یا عدمِ تشدد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حشرات الارض اور چرند پرند کا خیال رکھنا سادھو کی ذمہ داری ہے۔ یہ سادھو جانوروں کو تنگی سے نہیں باندھتے، ان کو مارتے نہیں، ذبح نہیں کرتے، زیادہ بوجھ نہیں لادتے، زیادہ کام نہیں لیتے اور خوراک دینے میں غفلت نہیں برتتے۔ ایسا نہ کرنا ان کے نزدیک پاپ (گناہ) ہے۔

گوشت خوری کو بڑا گناہ تصور کرتے ہیں۔ وہ ذبح خانوں کے بھی خلاف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ گوشت خوری سے اخلاق، صحت، حسن اور اقتصادیات کو نقصان پہنچتا ہے۔ وہ دودھ سبزی پر گزارہ کرتے ہیں۔ بعض سادھو تو سبز پتوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ وہ سورج ڈوبنے کے بعد کھانا نہیں کھاتے تاکہ غلطی سے کوئی کیڑا مکوڑا خوراک کے ساتھ اندر نہ چلا جائے۔

اخلاقی تعلیمات کا مقصود نجات ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تین چیزوں کا درست ہونا ضروری ہے۔ اس لائحہ عمل کو "جواہرِ ثلاثہ" کہتے ہیں۔

جواہرِ ثلاثہ:

1- **صحیح عقیدہ (سمیک درشن):** جین تیرتھنکروں کو حقیقی مذہبی راہنما سمجھنا، جین کتابوں کو مقدس جاننا، نیز جین مت کے اولیا کی بزرگی پر ایمان لانا لازمی ہے۔ اس کے علاوہ روح کا مادے سے نجات کے لیے سات بنیادی عقائد (ان کا ذکر پہلے آچکا ہے) پر ایمان لانے کے علاوہ آٹھ مطالبات پورے کرنا۔ تین قسم کے توہمات اور آٹھ قسم کے تکبرات سے پرہیز لازم ہے۔

2- **صحیح علم (سمیک گیان):** جین مت اشیا کے صحیح علم کے حصول کے لیے باطل علم کے زائل ہونے کو ضروری خیال کرتا ہے۔ ان کے نزدیک حواس و عقل کے ذریعے سے حاصل ہونے والا علم، مقدس کتابوں کا علم، غیب دانی کا علم، دوسروں کے خیالات و احساسات کا علم اور زبان و مکان کی قید سے آزاد علم کامل۔ یہ علم کی پانچ اقسام ہیں۔

3- **صحیح عمل (سمیک چرتر):** صحیح عقیدے اور صحیح علم کے بغیر صحیح علم ممکن نہیں اور صحیح عمل وہ ہے، جو روح کو مادے کی آلودگی سے نجات دلاتا ہے۔

مہاویر (جین مت) کے پانچ اصول:

جین مت میں پانچ اخلاقی اصول ایسے ہیں، جن پر عمل کرنے کا ہر جین کو عہد کرنا ہوتا ہے۔ ان میں چار تو قدیم ہیں اور برہمچاریہ کا مہاویر نے اضافہ کیا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

1۔ **اَہنسا (عدمِ تشدد):** یہ جین مت کی تعلیمات کا بنیادی ستون ہے۔ اس کے مطابق ہر قسم کا جسمانی تشدد منع ہے۔ اسی میں شامل کرتے ہوئے خیالات اور گفتگو میں تکبر، نفرت، تعصب، عدم احتیاط اور دنیاوی لالچ بھی منع ہے۔

2۔ **راست گفتاری (ستیہ):** ہر جین کے لیے سچ بولنا لازم ہے اور مبالغہ، عیب جوئی اور فضول گفتگو سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

3۔ **چوری نہ کرنا (استیہ):** عہد کرنا پڑتا ہے، کہ بلا اجازت کوئی چیز نہیں لے گا۔ اس کے علاوہ گری پڑی چیز اٹھانا، دھوکے سے کوئی چیز حاصل کرنا اور تجارت میں ناجائز منافع اور بے ایمانی بھی منع ہے۔

4۔ **پاک بازی برہمچاریہ:** یہ اصول مہاویر نے دیا ہے۔ اس میں اپنی عصمت و عفت کی حفاظت اور دوسروں کو شادی پر آمادہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ فحش گفتگو سے پرہیز لازم ہے۔

5۔ **دنیا سے بے رغبتی (اپری گرہ):** دنیاوی اشیا، دولت اور جائیداد سے بے رغبتی ضروری ہے۔ گرہستی جینوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے خاندان کی پرورش کے لیے محدود حد تک مال و دولت رکھ سکیں۔

یہ بنیادی عہد کرنے کے علاوہ سات اختلافی عہد بھی عام جین کو کرنے پڑتے ہیں، مثلاً، وہ ایک خاص فضائی حد سے اوپر نہیں جائے گا، وہ محدود علاقے میں رہے گا اور مہینے میں چار خاص دنوں کے روزہ رکھے گا، کھانے پینے کی چیزوں سے ایک حد تک لطف اٹھائے گا اور سادھوؤں کو کھلائے بغیر خود کھانا نہیں کھائے گا۔ عام جین کے لیے یہ بھی تجویز کیا گیا ہے کہ عمر کے آخری حصے میں یا کسی جان لیوا بیماری میں فاقے سے خودکشی کا عہد کرے۔ یہ اس کے لیے قابل تعریف موت ہوگی۔

سادھوؤں لیے صرف چند چیزوں کی ملکیت کافی ہے۔ سادھوؤں اور سادھنوں کے لیے اور بھی کڑا اخلاقی معیار رکھا گیا ہے۔ وہ ذاتی ملکیت میں صرف خیرات مانگنے کے دو برتن (ایک کھانے اور دوسرا پینے کے لیے) تین ان سلے کپڑے (عورتوں کے لیے چار) اور ایک جھاڑو رکھ سکتا ہے۔ وہ آنے والے کل کے لیے کچھ جمع نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے رات کے وقت چلنا پھرنا اور کچھ کھانا منع ہے۔ مردوں اور عورتوں پر سر منڈوانا لازم ہے۔ اس کے علاوہ پانچ قسم کے ضبطِ نفس، پانچ قسم کی احتیاطیں، بارہ قسم کے مراقبے، بائیس قسم کی تکلیفیں سہنا اور چھے قسم کی ریاضتیں کرنا بھی ضروری ہیں۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ مہاویر کے حالاتِ زندگی تفصیل سے لکھیں۔

2۔ مہاویر کے ہم عصر راہنماؤں کے بارے میں تفصیل سے لکھیں۔

3۔ درج ذیل پر نوٹ لکھیں۔

(الف) خود ضبطی (ب) جواہرِ ثلاثہ (ج) اَہِنسا

4۔ جین مت کے پانچ اخلاقی اصول بیان کریں۔

5۔ مہاویر کی تعلیمات پر مفصل نوٹ لکھیں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ نروان کے حصول کا طریقہ بتائیں۔

2۔ مہاویر کا اصل نام کیا تھا؟

3۔ مہاویر کے معنی کیا ہیں؟

4۔ جین مت کی تعلیمات کے دو اہم پہلو کون سے ہیں؟

5۔ مہاویر نے کہاں اور کیسے وفات پائی؟

6۔ جین مت میں سادھوؤں اور سادھنوں کو کیسے زندگی گزارنی چاہیے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ چھٹی صدی قبل مسیح (BCE) میں پیدا ہوئے۔

(ا) زرتشت (ب) مہاویر (ج) گوتم بدھ (د) تینوں

2۔ مہاویر کا مطلب ہے؟

(ا) بڑی شخصیت (ب) مذہبی رہنما (ج) عظیم ہیرو (د) مذہبی پیشوا

3۔ جین مت میں خود ضبطی سے مراد ہے؟

(ا) دماغ کا ضبط (ب) زبان کا ضبط (ج) جسم کا ضبط (د) تینوں

4۔ جین مت میں اخلاقیات کے .... اصول ہیں۔

(ا) تین (ب) پانچ (ج) سات (د) نو

5۔ جین مت میں سادھوؤں اور سادھنوں کے لیے...................... منع ہے۔
(ا) ذاتی ملکیت رکھنا (ب) رات کو چلنا پھرنا (ج) رات کو کھانا (د) ا، ب، ج

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کریں اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
مہاویر	اہنسا	
خود ضبطی	شری پارش ناتھ	
پیش رو	رانک پور	
قدم جین مندر	وردھمان	
عدم تشدد	دماغ کا ضبط	
	وشالی	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ مہاویر کے علاوہ ترتھینکروں کے حالاتِ زندگی کے بارے میں معلومات اکھٹی کریں۔
2۔ دُنیا کے نقشے میں ان ممالک کی نشان دہی کریں جہاں جین مت کے پیروکار رہتے ہیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو جین مت کے کسی مندر میں لے کر جائیں۔

☆☆☆☆

باب
3

اخلاق واقدار

عبادت کے انسانی زندگی پر اثرات (مذاہب عالم کی روشنی میں):

مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر مذہب اپنے نظامِ عبادت کے ذریعے انسان کو اندر سے بدلنا چاہتا ہے۔ تمام مذاہب کا سرچشمہ خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا جبکہ انسان نے الہامی ہدایات کی روشنی ہی میں زندگی کے سفر کا آغاز کیا۔ خدائے بزرگ برتر نے جب دیکھا کہ انسان خود غرضی کا شکار ہو کر ظلم اور سرکشی پر اتر آیا ہے اور نہ صرف دوسروں کے حق غصب کرنے لگا ہے، بلکہ اپنے خالق کی اطاعت سے بھی عاری ہو گیا ہے، تو اس نے پے در پے اپنے نبی، اوتار اور نیک بندے بھیجے تا کہ انسان اپنے غلط رویے بدلے اور راہِ راست پر قائم رہے۔ اسی طرح جب معاشرے کی اصلاح کرنے والوں نے دیکھا کہ انسان بھٹک گیا ہے، تو انھوں نے کچھ اخلاقی ضابطے مقرر کر کے نئے مذہب کی بنیاد رکھی، اور انسان کی اصلاح کرنا چاہی، تا کہ معاشرے میں اچھی اقدار پروان چڑھیں اور بُرائی کا خاتمہ ہو۔

عبادت کے کسی بھی نظام کی بنیاد عقائد پر ہوتی ہے جبکہ ان عقائد کا انسانی نفسیات سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جس طرح غم، غصہ، خوف اور خوشی انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں، اسی طرح ایمان اور عقائد بھی انسان کی داخلی کیفیت کو بدلتے ہیں۔ ایک انسان جو خود کو گناہوں سے آلودہ محسوس کرتا ہے اور مایوسی کا شکار ہوتا ہے، جب وہ اپنے سارے گناہوں کو تسلیم کرتے ہوئے خدا سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ اس کا دل مطمئن اور پُرسکون ہے اور وہ خود کو ایک بدلا ہوا انسان محسوس کرتا ہے۔ اس طرح اس کے رویّے بھی بدل جاتے ہیں۔

عبادات کئی قسم کی ہیں۔ ایک بزرگ و برتر ہستی کے حضور کھڑا ہونا، سر جھکانا، جھک جانا، سجدہ ریز ہونا، حمد و ثنا بیان کرنا، دعا مانگنا وغیرہ۔ یہ سب اُمور تمام مذاہب کے نظام ہائے عبادت کا حصہ ہیں اسی طرح مراقبہ، چلہ کشی، روزہ رکھنا، کم کھانا، کم سونا، فاقہ کشی، استغراق اور وظائف پڑھنا مختلف انداز میں دعائیں مانگنا بھی عبادات کے نظام میں شامل ہیں۔ یہ نظام انسان کے رویے میں تبدیلیاں لا کر اس کے ذہن کی نئی تشکیل کرتے ہیں۔

عبادت کے نظام پابندی وقت سکھاتے ہیں، اور انسانی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرتے ہیں۔ ہر نظامِ عبادت انسان میں عاجزی پیدا کرتا ہے اور منفی جذبات کو ختم کرتا ہے۔ انسان وقت کی پابندی اور نظم وضبط سے فائدہ اٹھا کر عملی زندگی میں اپنے معاملات کو درُست کر سکتا ہے۔ نظام ہائے عبادات پابندی وقت کا تقاضا کرتے ہیں۔ تمام مذاہب میں نماز، روزہ اور دیگر عبادات کے اوقات مقرر ہیں۔ زکوٰۃ، حج اور مذہبی تقریبات کے نہ صرف اوقات مقرر ہیں، بلکہ ان مقررہ اوقات سے ہٹ کر عبادت کی جائے تو وہ عبادت تصور نہیں کی جاتی۔

عبادات کا ایک اہم معاشرتی پہلو خدمتِ خلق ہے۔ تمام مذاہب میں دوسروں کی مدد اور خدمت کو عبادت قرار دیا جاتا ہے، بلکہ ہر مذہب ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی انسانی آبادی قدرتی آفات کا شکار ہو تو ہم دیکھتے ہیں کہ بلا لحاظ مذہب وملّت مذہبی تنظیمیں اور عبادت گزار افراد پیش پیش ہوتے ہیں اور وہ کسی صلے اور ستائش کے بغیر یہ خدمت عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ سر گنگا رام، سردار دیال سنگھ، مدر ٹریسا، عبدالستار ایدھی وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے۔ اسی طرح مالی قربانی بھی عبادات کا حصہ ہوتی ہے۔ لوگ غریبوں میں رقوم بانٹتے ہیں، وظیفے جاری کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بیواؤں اور یتیموں کی مدد کا خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسی مدد سے جہاں محتاجوں کے مسائل حل ہوتے ہیں وہاں مجموعی طور پر معاشرے کے معاشی مسائل بھی سلجھتے ہیں۔

عبادات انسانی سیرت کی تعمیر اور اخلاقی تربیت کرتی ہیں۔ عبادت گزار افراد عموماً عاجزی وانکساری اختیار کرتے ہیں۔ وہ غرور، تکبر، احساسِ برتری، کینہ اور حسد وبغض سے بچتے ہیں۔ اسی لیے وہ نفسیاتی اور بدنی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ میل ملاپ اور معاشرتی تعلقات میں پُر جوش ہوتے ہیں۔ اس طرح عبادات کے نظام افراد کے رویوں میں اعتدال لا کر انھیں کئی بُرائیوں سے دُور رکھتے ہیں۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ عبادت گزار افراد ہر قسم کے نشے سے دُور رہتے ہیں، اور وہ دیگر سماجی بُرائیوں سے بھی بچتے ہیں۔

جس طرح عباداتِ خواہشات پر قابو پانا اور صبر وتحمل سکھاتی ہیں، اسی طرح بدن اور لباس کی صفائی، جگہ کا پاک ہونا بھی عبادات کے تقاضوں میں شامل ہے۔ اس لیے عبادات سے صفائی کا رجحان بڑھتا ہے۔ اسلام تو صفائی کو نصف ایمان قرار دیتا ہے۔ چنانچہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ عبادات میں مصروف رہنے والے افراد نہ صرف خود پاک صاف رہتے ہیں بلکہ وہ ماحول کو بھی پاک صاف رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذاہب عالم میں غسل کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

مختصراً یوں سمجھ لیں کہ عبادت سے انسان میں جو ظاہری اور باطنی تبدیلیاں آتی ہیں، وہ ہر فرد پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہیں۔ جب ہزاروں لاکھوں انسان ایک نظم کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ معاشرے پر اس کے گہرے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کسی قوم کا نظریۂ حیات ہوتا ہے ویسا ہی اس کا نظامِ عبادت ہوتا ہے اور اسی کے مطابق نئے ذہن تشکیل پاتے ہیں اور عمدہ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

مذہب کے اثرات:

انسانوں پر مذہب کے اثرات کی نوعیت مختلف اور متنوع قسم کی ہوتی ہے۔ بعض اہم اثرات یوں بیان کئے گئے ہیں۔

(1) جذباتی تکمیل:

مذہب ایک علامتی نظام مہیا کرتا ہے جس میں شرکت کے ذریعے سے انسان اپنے جذباتی ارتقا کی سعی کر سکتا ہے۔ پھر جذباتی مسائل رونما ہونے کی صورت میں وہ نظام معالجاتی مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

(2) ثقافتی حیاتِ نو:

محققین نے ایک ڈگمگاتی ثقافت کوسنبھالا دینے کے لیے مذہب کے موثر طریقوں کا خاص ذکر کیا ہے۔انہیں احیا کی تحریکیں کہا جاتا ہے جوبعض اوقات ان ثقافتوں میں نمودار ہوتی ہیں جو اپنے مدمقابل اِن تعلیمات کو برہمن اعتقادات کے مخالف سمجھا جانے لگا۔ ایسی ثقافتیں اپنے تحفظ کے لیے مورچہ بندی کر لیتی ہیں اورزوردار قسم کی مذہبی تحریکوں کوجنم دیتی ہیں۔ جو پرانی جانی پہچانی اقدار پر اصرار کرتی ہیں۔

(3) مفہوم کاتعین:

محققین مذہب کے علامتی عنصر کا بطور خاص ذکر کرتے ہیں کہ یہ کس طرح انفرادی رویئے کے لیے ایک بامعنی ثقافتی سیاق وسباق مہیا کرتا ہے۔

(4) معاشرتی استحکام:

دانشوروں نے یہ نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ مذہب انسانی گرویوں کو علامتی شکلیں بخشتا ہے جن کے سبب ان میں گروہی استحکام پیدا ہوتا ہے اوراس طرح وہ معاشرتی اعتبار سے زیادہ مربوط ہوجاتے ہیں۔

(5) انسانی تمدن:

تمدن مل جل کر رہنے کے طریقے یا طرز معاشرت کو کہتے ہیں۔ عام طور پر معاشرتی طورطریقے اورزندگی بسر کرنے کے انداز حواس اورعقل کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ مادی یا حسّی تمدن کاتعلق صرف انہی مادی اشیا سے ہوتا ہے جن کا ادارک کیا جاسکے اور حواس کے دائرے میں آسکیں۔ مادی تمدن کے نظام میں عام انسانی ضرورتوں اورخواہشون کی تکمیل ہی کو درجہ کمال سمجھا جاتا ہے۔اس لئے اس نظام میں غیر مادی یا روحانی اشیا کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔خدا، وحی اور آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے انسان جو چاہے کر گزرنے میں آزاد ہوتا ہے۔اس کامقصود صرف ذاتی منفعت، آسائش وآرام کا حصول رہ جاتا ہے۔ اخلاقی اقداراور روحانی بلندی وغیرہ اس کے نزدیک بے معنی چیزیں ہوجاتی ہیں۔

(6) عقل ومنطق:

انسان عقل ومنطق سے زیادہ جذبات کا بندہ ہے۔جس معاشرے یا تمدن کوعقلی کہا جاتا ہے وہ محض جزوی طور پر عقلی کہے جاسکتے ہیں۔ عقل اپنے مقصد کے حصول کے لیے گنجائش پیدا کر لیتی ہے اور تاویل سے کام لیتی ہے۔موجودہ زمانے کے عقلی تمدن میں عقل کی حیثیت بہت کمزور ہے۔اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ تجربوں کوتسلیم کرے اورحسی خواہشوں کی تکمیل میں تعاون کرے۔

اشراق یعنی حکمت، روشن ضمیری یا باطن کی صفائی۔ یہ تمدن دراصل مادی تمدن کی ضد ہے، اس میں جسم اور مادیت سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ گوشہ نشینی، چلہ کشی اور تجرد کی زندگی اس کے خاص اثرات ہیں جن سے معاشرے میں غیر متوازن عناصر جنم لینے لگتے ہیں۔تمدن کی یہ صورتیں ایک متوازن معاشرہ قائم کرنے میں ناکام رہیں۔اس کے برعکس مذاہب کے زیراثر روحانی شخصیات کی تعلیمات نے جو روحانی یا الہامی تمدن قائم کیا اس میں یہ خاص باتیں شمار کی جاسکتی ہیں۔

1۔ خداوند تعالیٰ کے بارے میں یہ واضح تصور کہ وہ کائنات کا واحد خالق اور آقا ہے، وہ انسانوں سے عدل اور رحمت کا برتاؤ کرتا ہے۔ اس کی صفات ربوبیت، عدل اور رحم کی بنا پر کائنات میں تنوع کے ساتھ توازن واعتدال ہے۔

2۔ انسان اس دنیا میں خدا کا نائب اور اشرف المخلوقات ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد خدا کی دی ہوئی ہدایات پر عملدر آمد ہونا ہے۔

3۔ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جہاں اس زندگی کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔

4۔ با مقصد اور باعمل زندگی گزارنے کا تصور کہ انسان زیادہ سے زیادہ نیکی اور بھلائی کے کام کرے دوسرے انسانوں کے کام آئے اور امن وانصاف قائم کر سکے۔

اس قسم کا مذہبی یا روحانی تمدن مسرت اور انصاف بخشنے کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ اس میں حسی تمدن کی اغراض پسندی نہیں ہوتی اور نہ اشراقی تمدن کا ترک دنیا۔ نفع پرستی کے بجائے چند مستقل اخلاقی اصول ہیں جو وسیع تر انسانیت کے حق میں ہر طرح سے مفید ہیں اور ان کی پابندی بہر صورت ضروری ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ مذاہب کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

2۔ عبادات انسان میں کس قسم کے اوصاف پیدا کرتی ہیں؟

3۔ مذہب کے کوئی سے پانچ اثرات تفصیل سے بیان کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ مذہب نظامِ عبادت کے ذریعے کیا تبدیلی لاتا ہے؟

2۔ جب انسان خدا سے گناہ کی معافی طلب کرتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟

3۔ عبادت کے نظام کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

4۔ عبادت کا اہم معاشرتی پہلو کیا ہے؟

5۔ عبادت کے نفسیاتی اثرات کیا ہوتے ہیں؟

6۔ انسانی تمدن مذہب پر کیسے اثرات مرتب کرتی ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ عبادات کا اہم معاشرتی پہلو.................. ہے۔

(ا) خدمتِ خلق (ب) صبر اور حوصلہ

(ج) ضبطِ نفس (د) غرور کا خاتمہ

2۔ نظام عبادت کی بنیاد.................. پر ہوتی ہے؟

(ا) نظام معاشرت (ب) نظریۂ حیات

(ج) عقائد (د) الہامی کتب

3۔ انسان کی اندرونی کیفیت بدلنے کے لیے ہر مذہب نے ایک.................. دیا۔

(ا) نظام معاشرت (ب) نظامِ عبادت

(ج) نظامِ زیست (د) ایک خاص سلیقہ

4۔ عبادت کے نظام .... سکھاتے ہیں۔

(ا) نظم وضبط (ب) پابندیِ وقت

(ج) خدمتِ خلق (د) الف، ب، ج

5۔ عبادات سکھاتی .... ہیں۔

(ا) ضبطِ نفس اور صبر (ب) پابندیِ وقت

(ج) آدابِ زندگی (د) الف، ب، ج

6۔ کردار سازی اور تعمیرِ سیرت کے لیے .... لازم ہے۔

(ا) عاجزی (ب) تکبر اور غرور جیسی نفسی بیماریوں سے پرہیز

(ج) عبادت (د) ا، ب، ج

(د) صحیح جملے کے سامنے "ص" اور غلط کے سامنے "غ" لگائیے۔

1۔ مذہب اپنی اقدار کے ذریعے انسان کو بدلتا ہے۔

2۔ عبادت کی بنیاد عقائد پر ہوتی ہے۔

3۔ عبادات کا اہم مذہبی پہلو خدمتِ خلق ہے۔

4۔ دعا کی قبولیت سے انسانی رویے بھی بدل جاتے ہیں۔

5۔ ہر نظامِ عبادت انسان میں عاجزی پیدا کرتا ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ طلبہ مختلف گروہ بنا کر اس بات کا جائزہ لیں کہ عبادت سے افراد کی نجی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اہم نکات پر مشتمل چارٹ بنائیں۔

2۔ کسی ایسے شخص کا انٹرویو کریں جس نے زندگی کا چلن اچانک بدل لیا ہو اور نیک عادات اپنالی ہوں۔ آپ نوٹ کریں کہ اس نے کون کون سی بُری عادتیں ترک کیں اور نیک عادات اپنائیں۔ وجوہات پر بھی غور کریں اور اپنے مشاہدات کی روشنی میں بتائیں کہ انسان پر مذہب کیسے اثر انداز ہوتا ہے؟

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

طلبہ کو عبادت گزار افراد کی اخلاقی برتری کے بارے میں اس طرح بتایا جائے، کہ ان میں عبادت کا شوق پیدا ہو۔

☆☆☆☆

عالمی مذاہب میں اخلاقی اقدار

تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ساری روحانی شخصیات اور مصلحین نے دوسروں کے حقوق پورے کرنے، بُرائیوں سے بچنے، پاکیزگی، پرہیزگاری، رحم دلی، دردمندی، عدل وانصاف، دوسروں کی مدد اور خدمت خلق پر زور دیا۔تمام مذاہب اور بدھ مت اور جین مت وغیرہ ایسے مذاہب ہیں جن میں موت کے بعد زندگی اور جواب دہی کا تصور موجود ہے اسی لیے ان کی بنیاد ہی سراسر اخلاق پر ہے۔آپ ذرا غور کریں تو آپ پہ واضح ہوگا کہ اچھائی کو عام کرنے اور بُرائی کو ختم کرنے کے دو ذریعے ہوتے ہیں ایک قانون اور دوسرا اخلاق۔قانون کے خوف سے بھی بُرائی کم ہوتی ہے،لیکن معاشرتی اخلاقی دباؤ اس سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

کسی آدمی کی شخصیت دو طرح سے دوسروں کو متاثر کرتی ہے۔ایک شکل وصوت، گفتگو یا ذہانت سے اور دوسرا اخلاقی خوبیوں سے۔اِن میں حُسن یا خوبصورتی، وجاہت اور ذہانت ایسی خوبیاں ہیں جن کے پیدا کرنے میں ایک فرد کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ خالق و مالک کی عطا کردہ ہوتی ہیں جبکہ دردِ دل، رحم دلی، سچائی اور پاکیزگی ایسے اوصاف ہیں جن کے پیدا کرنے میں ایک فرد کی نیت، محبت اور کوشش کا دخل ہوتا ہے اس لیے یہ اُسے صاحبِ کردار بنا دیتی ہیں۔یہ اخلاقی خوبیاں مذہب کی دَین ہیں اور تاریخ میں شرفِ انسانیت ان کی وجہ سے قائم ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔بے شک انسان عادات وخصائل، طرزِ زندگی، خاندانی روایات، معاشی اور معاشرتی حالات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں،لیکن اخلاقی اقدار کا اپنانا، اور ان پرعمل کرنا آپ عام معاشرتی زندگی میں ہر جگہ دیکھ سکتے ہیں۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ چڑیا کا بچہ گھونسلے سے گر پڑے تو ماممتا کی ماری چڑیا اسے اٹھانے کے لیے تڑپتی ہے۔اس چڑیا کو دیکھ کر انسان کا دل بھی پسیج جاتا ہے۔یہ رحم کا جذبہ ہے جو انسانی دل میں امڈ آتا ہے۔اب اگر آپ کا جی چاہتا ہے کہ اس چڑیا کی مدد کی جائے اور آپ اس کے بچے کو اٹھا کر گھونسلے میں ڈال دیتے ہیں تو یہ دردمندی ہے۔اسی طرح ایک شکاری ہرنی کا بچہ اٹھا کر گھوڑے پر سوار ہوکر جانے لگا تو ہرنی نے دیکھ لیا وہ بے تاب ہوکر دوڑی۔اس کے ساتھ ہی اس نے ایک دلدوز چیخ ماری۔اس کی آواز میں ایسا سوز تھا کہ شکاری کا دل پسیج گیا اور اس نے بچہ چھوڑ دیا۔دردمندی کا یہ جذبہ رحم دلی کا عکاس ہوتا ہے۔

آپ نے کسی آدمی کو دیکھا ہے جو جھاڑیوں سے گزر رہا ہو۔وہ بڑی احتیاط سے سمٹ سمٹ کر، کپڑوں اور بدن کو بچا بچا کر گزرتا ہے۔دنیا میں ہر طرف بُرائیوں کے بڑے پُرفریب پھندے ہیں۔ان سے بچ کر چلنا ہی پرہیزگاری ہے۔ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو نیک و بد سمجھا دیتا ہے اور پھر انھیں دیانتداری، خدمت خلق، دردمندی اور رحم کی جزا اور بددیانتی، ظلم اور دوسروں کی حق تلفی کی سزا کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔انسانی فطرت سلیم ہو، نیز والدین اور اساتذہ نے اچھی تربیت کی ہو تو انسان پرہیزگار بن کر نیکی کے راستے پر چلتا ہے۔تمام نبیوں اور مصلحین نے پرہیزگاری کے عملی نمونے دیے ہیں۔

رحم دلی وہ عظیم اخلاقی قدر ہے، جسے دنیا بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہر مذہب اسے اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔اسلام نے جانوروں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لینے اور ان کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے۔جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع کیا

ہے۔ بدھ مت اور جین مت میں تو کیڑے مکوڑوں کو مارنا بھی منع ہے۔ جین مت کے بھکشو اپنے جسم پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کو نہیں جھاڑتے۔ ان کے ہاں جانوروں کے علاج اور خدمت کے لیے پناہ گاہیں بنائی جاتی ہیں۔ کراچی میں نسروان جی مہتا (زرتُشت مذہب کے پیرو) جب بلدیہ کے میئر بنے تو انُھوں نے جہاں انسانوں کے لیے ہسپتال بنوائے وہاں جانوروں کی خدمت کے لیے بھی بڑے کام کیے۔

خواتین میں رحم اور دردمندی کا جذبہ ہوتا ہے۔ ایک عورت جس عورت سے لڑ رہی ہوتی ہے، اسی کے بچے کو روتا دیکھ کر چومنے لگتی ہے۔ بدھ مت میں دردمندی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہ دانش اور دردمندی کو بدھ مت کے دوستون گردانتے ہیں۔ گوتم بدھ نے کہا کہ جب تک ایک بھی انسان دکھ میں مبتلا ہے میری خوشی ادھوری ہے۔ دراصل دردمندی (دوسرے کے دکھ کو محسوس کر کے مدد کرنے کو جی چاہنا) دوسرے کے دکھ درد کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔

دوسروں کی مدد کا جذبہ جہاں سچی ہمدردی کا مظہر ہے، وہاں کئی اخلاقی خوبیاں اس میں یکجا ہوجاتی ہیں۔ تمام مذاہب میں دوسروں کی مدد کو حقوق العباد قرار دیا گیا ہے اور خودغرضی کی خوب خوب مذمت کی گئی ہے۔ خداوند یسوع مسیح کی تعلیمات میں اس پر اور زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ مسیحی دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے ہمیشہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ آپ نے قدرتی آفات کے مواقع پر دیکھا ہوگا کہ مذہبی تنظیمیں اور غیر حکومتی ادارے (N.G.O) سب سے پہلے آگے جاتے ہیں۔ یہ مذاہب کی تلقین اور تربیت کا ثمرا ہے۔ اسلام میں غریبوں کو کھانا کھلانا، قربانی کا گوشت، صدقات، عشر اور زکوٰۃ وغیرہ اسی مقصد کے لیے ہیں۔ سکھ مذہب میں اس پر بڑی توجہ دی گئی ہے۔ سردار دیال سنگھ لائبریری اور دیال سنگھ کالج اس کی بہترین مثال ہیں۔ ان کے ہاں پرشاد مذہبی تفریق کے بغیر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں بھی خدمتِ خلق پر زور دیا گیا ہے۔ لاہور کا گنگارام ہسپتال ایک ہندو سر گنگا رام نے بنوایا تھا۔ جنھیں جدید لاہور کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ خدمتِ خلق دراصل بڑی عبادت تصور کی جاتی ہے۔

دیانت داری اور امانت داری تمام پیغمبروں اور دیگر اخلاقی تعلیمات پر مبنی مذاہب کے بانیوں کے ذاتی اوصاف میں شامل رہی ہیں۔ اِن کی لاکھ مخالفت کی گئی مگر ان کی دیانت داری، امانت داری، راست بازی اور عفوودرگذر کی شخصی خوبیوں کا ہمیشہ اعتراف کیا گیا۔ دنیا کا کاروبار درحقیقت دیانت داری اور راست بازی کا تقاضا کرتا ہے۔ مذہبی مبلغین نے عملی ثبوت دیا۔ انھوں نے کاروبار میں نہ دیانتی کی اور نہ جھوٹ بول کر ناجائز منافع کمایا بلکہ جان کو خطرے میں ڈال کر بھی انھوں نے ہمیشہ سچ بولا اور وہ راست رو بھی رہے اور راست باز بھی۔ سچائی تو وہ خوبی ہے جس میں ہزار خوبیاں پنہاں ہیں۔

ہندو دھرم، مسیحیت، اسلام، سکھ مذہب اور دوسرے تمام مذاہب میں ناپ تول کے پیمانے درست رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ دیانتداری وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے قوم کو زوال نہیں آتا۔ امانت داری کا اتنا خیال رکھا گیا کہ اسلام نے مشورے کو بھی امانت قرار دیا۔

لاکھ کوشش کے باوجود ہمارے رویّوں سے دوسروں کے دل دکھتے ہیں۔ بعض اوقات، غصّے، غلط فہمی یا اشتعال انگیز صورتِ حال میں آدمی دوسرے سے زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس سے بعض اوقات اتنا فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے کہ حالات پر قابو پانا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسے حالات میں اصلاح کا ایک ہی پہلو ہے کہ خدائی صفت، جو وہ بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے، عفوودرگذر سے کام لیا جائے۔ دل سے معاف کر دینے سے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انتقام کی طاقت رکھنے کے باوجود معاف کر دینا بہت بڑی بات ہے۔ دراصل

عفوودرگذر وہ خوبی ہے،جس سے دنیا قائم ہے۔تمام مذاہب کے بانیوں نے ظلم اورزیادتیاں برداشت کیں مگر صبر اور درگذر سے کام لیا اس وجہ سے وہ مذہب پھیلتا ہی چلا گیا۔فتح مکہ کی مثال بڑی اہم ہے، جب حضرت محمد خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اپنے جانی دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔مسیحیت میں بھی اس اخلاقی قدر پر بہت زور دیا گیا ہے کہ کوئی دائیں گال پر تھپڑ مارے تو بایاں بھی پیش کردو۔

انسان کسی حد تک با اخلاق ہوسکتا ہے مذاہب کے بانیوں نے اس کا عملی ثبوت دیا ہے۔آپ ان بانیوں کی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان پیغمبروں اور بانیوں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اور دیگر مذاہب کے بانیوں گوتم بدھ، زرتُشت ، مہاویر اور بابا گورونانک دیو جی نے رحم دلی، عدل وانصاف ، دردمندی، عفوودرگزر، دیانتداری اور راست بازی جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے کروڑوں انسانوں کا دل موہ لیا۔حقیقت یہ ہے کہ یہی اخلاقی اقدار دنیا میں انسان کے سکھ چین اور آخرت میں نجات کی ضامن ہیں۔

اخلاقی اقدار

1۔مثبت رویے:

مذہب میں محقق کا رویہ اور اندازِ فکر غیر جانب دارانہ اور غیر متعصّبانہ ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے اس کی تحقیق کا رویہ اور اندازِ فکر غیر جانب دارانہ اور غیر متعصّبانہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی تحقیق کے نتائج حقائق پر مبنی ہوتے ہیں۔اس طرح حقائق کا مطالعہ نہ صرف محقق بلکہ قارئین کے رویوں میں بھی مثبت تبدیلی کا باعث ہوتا ہے۔

2۔حق و باطل کی تمیز:

مذاہب ہمیں ایسے رہنما اصول مہیا کرتے ہیں کہ ہم حق و باطل میں تمیز کرسکیں۔اس سے خیر اور شر، نیکی اور بدی، اچھائی اور خامی ،انسان اور شیطان کی کش مکش کا بخوبی علم ہوتا ہے۔تقابل ادیان کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر ملک میں اپنے برگزیدہ بندوں کو مبعوث کیا تا کہ وہ جہالت اور گمراہی میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو روشنی کی کرنوں سے منور کریں اور حق و باطل کے فرق کو واضح کریں۔ لہٰذا تقابل ادیان کا مطالعہ ہمیں حق اور باطل میں تمیز کرنے کی کما حقہ راہنمائی مہیا کرتا ہے۔

3۔مطالعے میں وسعت:

جب معاشرتی اقدار کے فروغ میں مثبت پیش رفت ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ مستقل یعنی ابدی اور ازلی اقدار کی نشان دہی ہوتی ہے اور فی الحقیقت یہی سچائیں اور اقدار مستقل ہیں جو ہر دور ار ہر دین میں موجود رہی ہیں۔تقابل ادیان سے ہمیں ان کی آشنائی ہوتی ہے اور ہم انھیں اپنی زندگی میں راسخ کر سکتے ہیں۔تقابل ادیان سے ہر دین کی خوبیوں اور خامیوں کا ہمیں علم ہوتا ہے جس سے نہ صرف ہمیں علمی لحاظ سے فائدہ ہوتا ہے بلکہ ان کے مطالعے سے بلند کرداری، نظری وفکری بلندی ار روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔اس حقیقت کا بھی علم ہوتا ہے کہ ہر دین کے ہادی و رہبران اور بانی مضبوط کردار کے مالک، سچے، بےلوث ، بےغرض تھے۔ان افراد کی زندگی سے ہمیں رذائل اخلاق سے بچنے اور فضائل اخلاق کو اپنانے کے راہنما اصول ملتے ہیں۔

4۔تہذیب وتمدن کے ارتقا کی خبر اور تعین:

قوموں کے عروج وزوال اور تہذیب وتمدن کا علم ہمیں تاریخ کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے۔مذہب قوم اور تہذیب وتمدن کا ایک لازمی عنصر ہے۔جب ہم ادیان کا مطالعہ کرتے ہیں تو دوسرے لفظوں میں ہم مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔اس سے ہمیں قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں اور تہذیب وتمدن کے چراغوں سے روشنی حاصل کرنے کے مواقع ملتے ہیں۔اس سے ہمیں نہ صرف لوگوں کی زمانی، ثقافتی اور تمدنی حیثیت کے تعین میں مدد ملتی ہے بلکہ اس دور کے انسانوں کے فکر،سوچ اور ذہنی بلندی کا بھی علم ہوتا ہے۔

5۔استدلالی اور سائنسی انداز فکر میں ترقّی:

ماہرین کی تحقیق جانب داری،تنگ نظری اور تعصب سے مبرا ہوتی ہے۔اس میں بیانیہ اور تاریخی تحقیق کو سائنسی طریقۂ تحقیق کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔اس لئے ادیان کے مطالعے سے نہ صرف ہمارے وقوفی علم میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ استدلال اور سائنسی انداز فکر میں بھی ترقی ہوتی ہے۔

6۔ موعظت اور عبرت کا درس:

قوموں کے عروج وزوال اور تہذیب وتمدن کے روشن میناروں سے واسطہ پڑتا ہے وہاں ہمیں ان میناروں کو روشن کرنے والے انسانوں کے کارناموں سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے جوانھوں نے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے سرانجام دیئے۔ہمیں پتا چلتا ہے کہ انسانیت کے ان معلمین نے کن کن کٹھن مرحلوں سے گزر کر انسانوں کو علمی،روحانی،اخلاقی اور سیاسی تربیت کی۔اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ جو قوم خیر کی راہ پر چلی اس نے فلاح وسعادت مقدر کی اور جو شر پر چلی تباہی اور ہلاکت ان کا مقدر بنی۔اس طرح ہمیں مذاہب کے مطالعے سے موعظت وعبرت کے اسباق ملتے ہیں۔

7۔سچ اور جھوٹ میں تمیز:

تحقیقی مواد بھی سائنسی طریقہ کار کے تمام مراحل سے گزرتا ہے چنانچہ مختلف ادیان میں پھیلی ہوئی حکایات،روایات اور مذہبی کتب میں تحریف کا بخوبی علم ہوجاتا ہے اور اس طرح سچ اور جھوٹ میں تمیز ہوجاتی ہے۔لہذا تقابل ادیان کا مطالعہ حقیقی اور افسانوی معلومات اور سچ اور جھوٹ میں تمیز کا ملکہ پیدا کرتا ہے۔

8۔توحید کا قیام:

مذاہب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس پر یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ اس کائنات کو بنانے اور چلانے والی ذات ''واحد'' ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔اس طرح ادیان کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ مذہب کی اساس توحید باری تعالیٰ ہے۔

9۔انسانی عظمت:

توحید کا عقیدہ جب انسان کی زندگی کا اول وآخر بن جاتا ہے تو مٹی کا یہ پتلا عظمت کے نور میں گھر کر لیتا ہے۔اس طرح انسانی عظمت اپنے انتہائی عروج کو پالیتی ہے۔جب ایک انسان خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک تسلیم کر لیتا ہے تب وہ دنیا کی ہر محتاجی اور ہر غلامی سے ماورا ہوجاتا ہے اور اس کو پوری کائنات پر برتری حاصل ہوجاتی ہے۔

10۔مساوات:

ادیان کے مطالعے سے ہمیں مساوات کا سبق ملتا ہے اور تفریق بین الناس اور اونچ نیچ کا مسئلہ پامال ہو جاتا ہے۔ مذاہب کی تعلیمات سے واضح ہو جاتا ہے کہ معزز وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔

11۔ رواداری:

خدا تعالیٰ کا پیغام ہر ملک اور اور ہر قوم کے انسانوں تک پہنچایا گیا ہے۔ اس لئے دین مطالبہ کرتا ہے، کہ مذہب کے نام پر خون خرابہ نہ کیا جائے بلکہ رواداری سے کام لیا جائے۔ انسانوں کے حقوق اور اپنے فرائض کا خیال رکھا جائے۔

12۔تزکیۂ نفس:

ہر مذہب اور دین نے خدا کو ماننے پر زور دیا ہے۔ انسان کی جو باطنی بلندی اور کمال آج نظر آتا ہے وہ خدائے واحد پر ایمان لانے ہی کا ثمر ہے۔ تقابل ادیان کا مطالعہ اعلان کرتا ہے کہ تزکیہ نفس ہی ایسی قوت ہے جس نے انسان کو قصر مذلت سے نکال کر اخلاقِ حسنہ کے ایسے بلند مینار پر کھڑا کر دیا جو تصور میں بھی نہیں آ سکتا ہے۔

13۔ علوم وفنون کی ترقی:

کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے سائنسی ترقی برائے انسانی فلاح پر پابندی لگائی ہو۔ مذہب نے انسان کو یہ سبق دیا کہ وہ اشرف المخلوقات ہے اور کائنات کی ہر چیز انسان کی آسائش اور انتفاع کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مذاہب کا مطالعہ انسان کو کائنات کی ہر چیز کو مسخر کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور دلائی ہے۔ اس طرح انسان کائنات کے عناصر کے خواص معلوم کرنے میں مصروف رہتا ہے جس سے مختلف علوم اور سائنس نے ترقی کی منازل طے کیں اور مزید کی جستجو میں ہے۔

14۔عقل کی رہنمائی:

اگر انسان کو اپنی عقل کے ذریعے سے زندگی کی تمام گتھیاں سلجھانی پڑتیں اور دنیاوی زندگی کی بہتری کے تمام اُصول وضع کرنے پڑتے تو عقل کی کوتاہ بینی کی وجہ سے انسان قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ مذہب نے انسان کی عقل کی راہنمائی کے لیے عمرانی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، عائلی اصول وضع کر دیے ہیں تاکہ انسان ان اصولوں کی روشنی میں زندگی کے ہر قسم کے مسائل حل کر سکے۔ اگر انسان کے سامنے وہ اصول نہ ہوتے تو وہ ہلاکت اور بربادی کے گڑھے میں گر جاتا۔ جن قوموں نے ان رہنما اصولوں کو چھوڑ دیا آخر کار وہ تباہ وبرباد ہوئیں۔

15۔جزاوسزا اور حیات بعد الموت کا علم:

جزاوسزا اور حیات بعد الموت کا تصور ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ انسان کی فطرت میں خدا کی ہستی کا تصور مرکوز ہے مگر جزاوسزا اور حیات بعد الموت کا علم سوائے مذہب کے کہیں سے حاصل نہیں ہوتا۔ انسان کی فطرت میں خدا کی ہستی کا تصور مرکوز ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ مذاہب اور اخلاقی اقدار باہم لازم وملزوم رہے ہیں۔ بحث کریں؟

2۔ مثالوں سے وضاحت کریں کہ رحم اور دردمندی انسانی زندگی کے لیے اہم ہیں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ تمام مذاہب کی بنیاد کس پر ہے؟

2۔ اخلاقی خوبیاں کیسے پیدا کی جاسکتی ہیں؟

3۔ جب کسی کو تکلیف میں دیکھ کر اس کی مدد کو جی چاہے تو اسے کون سی اخلاقی خوبی کہیں گے؟

4۔ مذہب سچ اور جھوٹ کی تمیز کیسے سکھاتا ہے؟

5۔ علوم وفنون کی ترقی میں مذہب کیسے مدد کرتا ہے؟

6۔ اخلاقی خوبیوں کے عملی نمونے کہاں ملتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ تمام مذاہب کی بنیاد .... پر ہے۔

(ا) عبادات (ب) اخلاقیات (ج) اعتقادات (د) انسانی نفسیات

2۔ رحم دلی اور دردمندی کا جذبہ .... میں زیادہ ہوتا ہے۔

(ا) عورتوں (ب) مردوں (ج) بچوں (د) ا،ب،ج

3۔ بُرائی روکنے کا زیادہ مؤثر ہتھیار ہے۔

(ا) قانون (ب) درگزر (ج) معاشرتی دباؤ (د) اخلاقی تربیت

4۔ مذہب انسانیت کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے لیے خدمات سرانجام دیتا ہے۔

(ا) تعلیم (ب) سیر وتفریح (ج) فلاح وبہبود (د) ا،ب،ج

5۔ تقابلِ ادیان کے مطالعے سے ہمیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا سبق ملتا ہے۔

(ا) آہنسا (ب) مساوات (ج) بددیانتی (د) ا،ب،ج

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دل بھر آنا	دردمندی	
مدد کو جی چاہنا	جین مت	
کانٹے دار جھاڑیاں	رحم	
پناہ گاہیں	دیانتداری	
ناپ تول	درگزر	
	پرہیزگاری	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ طلبہ مختلف مذاہب کی اخلاقی اقدار الگ لکھیں۔ ان مذاہب کی مشترک اور اخلاقی اقدار کا ایک خوب صورت چارٹ تیار کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو اچھے اعمال کے نیک انجام، اجر اور آخرت میں صلہ کے موضوع پر واقعات سنائیں تاکہ انہیں اچھائی کی تحریک ملے۔

☆☆☆☆

انسانی کردارسازی پراحتساب کے اثرات

انسان اور دیگر زندہ اجسام کے اندر نئے خلیے پیدا اور پرانے ٹوٹتے رہتے ہیں گویا تعمیر اور تخریب ایک ہی وقت میں جاری رہتی ہے، اگر غور کریں تو انسانی ضمیر میں نیکی اور بدی کی قوتیں ہمہ وقت مصروفِ کار رہتی ہیں اور کچھ اندرونی اور بیرونی عناصر کے عمل دخل سے ان کا توازن قائم ہوتا یا بگڑتا رہتا ہے۔ مذاہب کے نظام ہائے اخلاق بُرائی سے روکتے اور اچھے کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں اسی طرح انسان خود بھی تعمیر و ترقی کے لیے قانون سازی کرتا ہے جس کے ذریعے تخریبی قوتوں کی روک تھام اور سرکوبی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔

احتساب، محاسبہ یا مواخذہ انسان کی بدی کی راہ روکتا اور عدل و انصاف قائم کرتا ہے۔ اس لیے احتساب کے لیے قاعدے اور قوانین بنائے جاتے ہیں۔ مذاہب اس سلسلے میں نہ صرف راہنمائی کرتے ہیں بلکہ قوانین کے لیے بنیادیں بھی فراہم کرتے ہیں جن پر قوانین بنا کر بُرائی کی بیخ کنی کی جاسکے اور عدل قائم کیا جاسکے۔ آپ دنیا کے مختلف قوانین کا جائزہ لیں تو احتساب کے لیے بنائے قوانین کا بڑا حصہ مذاہب کا فراہم کردہ نظر آئے گا۔ جن جرائم کا کھوج نہ لگایا جاسکے یا محاسبہ ممکن نہ ہو ایسے جرائم کی سزا روزِ آخرت پر اٹھا رکھی جاتی ہے۔

انسان شُترِ بے مہار نہیں ہے۔ ہر فرد کو اپنے اپنے دائرۂ کار میں ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اساتذہ تعلیمی اداروں میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ اگر اساتذہ فرائض سے کوتاہی برتیں، تو سربراہان ادارہ سرزنش اور قاعدے قانون کی کارروائی سے ان کا مواخذہ کر سکتے ہیں۔ اگر سربراہ چشم پوشی کرے تو محکمہ تعلیم اس کی کوتاہی کا احتساب کرتا ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ حقوق و فرائض کے دائرے میں اصلاح کا عمل جاری رہتا ہے۔ مذاہب کی اخلاقی تعلیمات میں بھی اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ دوسروں کی حق تلفی نہ ہو اور جزا و سزا کے تمام پیمانے بھی اسی لیے ہیں، کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوتا رہے۔ آخرت میں حساب و کتاب کا نظام بھی احتساب ہی کی ایک عمدہ صورت ہے۔

احتساب کا ایک آلہ انسان کے اندر بھی موجود ہے۔ اسے ضمیر کہتے ہیں۔ جب ہم غلط کام کرتے ہیں یا اپنے حق سے زیادہ کی خواہش کرتے ہیں، یا دوسرے کا حق تلف کرتے ہیں تو ضمیر اس کی مذمت کرتا ہے۔ نرم خو اور روشن ضمیر طبیعتیں اس آواز پر کان دھرتی، اور اپنے رویے درست کر لیتی ہیں۔ لیکن بگاڑ زیادہ ہو تو پھر دیگر ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا احتساب خود مذاہب کا پیدا کردہ احساس ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ہے۔ جب انسان کو یقین ہو کہ اسے خدا کے سامنے ہر عمل کا حساب دینا ہے۔ تو وہ ظاہر اور چھپے ہر عمل کے لیے احساس جواب دہی سے سرشار ہوتا ہے اور خدا خوفی اسے راہِ راست پر رکھتی ہے۔ اس کے برخلاف صرف قانون کا خوف تمام لوگوں کو سیکھا نہیں رکھ سکتا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان کی لالچ اور بے لگام خواہشوں کو لگام دینے کے لیے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ یہ احتساب، گرفت اور نگرانی اور جواب دہی نہ صرف معاشروں کی ضرورت ہیں بلکہ ان کی بقا کے ضامن بھی ہیں۔

تاریخ کے ہر دَور میں اور دنیا کے تمام ممالک اور معاشروں میں جہاں ایک طرف تعمیر و ترقی کے لیے افراد اور ادارے کام کرتے ہیں، وہاں دوسری طرف تخریب کار، قانون شکن اور منفی کاموں کی روک تھام کے لیے ادارے بھی موجود ہوتے ہیں۔ محکمہ پولیس اور عدالتوں کے علاوہ منفی رجحانات کی حوصلہ شکنی کے لیے اور بھی بہت سے ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔ جن میں احتساب کئی طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ اسلام میں محتسب کا ایک مستقل ادارہ قائم ہے جس کے اپنے ضابطے ہیں اور وہ ریاست میں ہمہ وقت سرگرم رہتا ہے۔

تعلیم کے دَوران تمام تعلیمی اداروں میں اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ تربیت جتنی اچھی ہو معاشرے اتنے ہی توانا رہتے ہیں اور ان میں بداخلاقی کا نقب لگانا دشوار ہوجاتا ہے سیاسی میدان میں حکومت کا احتساب پارلیمان کرتی ہے۔ پارلیمان کی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی بھی اسی لیے ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ کی قائمہ کمیٹیاں بھی احتساب کا کام کرتی ہیں بعض اوقات اہم نوعیت کے قومی معاملات میں عدالتِ عظمیٰ خود بھی حرکت میں آتی ہے۔

انتظامی معاملات میں مواخذے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ حکام اپنے ماتحت عملے کی کارکردگی کا مسلسل جائزہ لیتے رہتے ہیں اور ان کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا حساب لے کر معاملات درست رکھتے ہیں۔ ذرا بڑے معاملات میں جائزہ کمیٹی باقاعدہ تفتیش کر کے اور رحالات کا کھوج لگا کر رپورٹ دیتی ہے اور صفائی کا موقع دے کر جرم ثابت ہونے پر ملزم کے لیے سزا کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسے صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ حکومت افسران کے خلاف شعبہ شکایات قائم کرتی اور کھلی کچہریوں کا انعقاد کرتی ہے۔ پاکستان میں وفاقی اور صوبائی سطح پر محتسب مقرر کیے گئے ہیں، جو ہزاروں شکایات کا ازالہ کرتے ہیں۔ محتسب کو اعلیٰ عدالتی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

نجی سطح پر احتساب کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ ادارے اور کمپنیاں اپنے ملازمین کی کارکردگی کا اپنے طریقے سے جائزہ لیتی ہیں۔ روزمرہ سہولیات مہیا کرنے والی کمپنیاں صحت مندانہ مقابلے کی فضا قائم رکھتی ہیں۔ مال کا معیار بڑھایا جاتا ہے۔ عوام کو پسند ناپسند بھی احتساب کا درجہ رکھتی ہے، اس سے مال اور خدمات کا معیار بہتر رہتا ہے۔

احتساب اور مواخذے کے اثرات انسانی رویوں پر ہوتے ہیں، غلط رویوں کی اصلاح ہوجاتی ہے اور ضمیر کی خلش ختم یا کم ہوجاتی ہے۔ جن معاشروں میں قانون کی عمل داری (یہ بھی احتساب کا ایک طریقہ ہے) اور کڑے احتساب کی روایت موجود ہوتی ہے وہاں جرائم کم ہوتے ہیں۔ انسانی ذہن کی منفی قوتیں، لالچ، ترغیبات، ہر ملک اور معاشرے میں لگ بھگ ایک جیسی ہوتی ہیں۔ کروڑوں اربوں کے فراڈ، قتل، آبروریزی، دہشت گردی اور دھوکا دہی کے واقعات مشرق ومغرب میں ہر جگہ ہوتے ہیں۔ البتہ جہاں تربیت سے ذہن بدل دیے جائیں، سماجی انصاف عوام کو میسر آئے، جواب دہی کا احساس بیدار، اور مواخذے کی روایت پختہ ہو وہاں جرائم کم ہوجاتے ہیں۔

انسان کی تربیت ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے۔ تعلیمی ادارے مزید تربیت کرتے ہیں۔ اس سے بچے کی کردار سازی ہوتی ہے۔ اس سارے عمل اور رویوں کے بننے میں جزا اور سزا کے عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ معاشرے کی اخلاقی قوت کا دباؤ بھی احتساب کا کام کرتا ہے۔ بہت سے غلط کام اس لیے نہیں ہوتے کہ معاشرتی دباؤ زیادہ ہوتا ہے، کچھ لوگ اخلاق کی اس بلند سطح پر ہوتے ہیں، کہ ہر قسم کی مشکلات برداشت کر لیتے ہیں مگر غلط کاموں سے باز رہتے ہیں۔ سزا کا ڈر اور ضمیر کی خلش رویوں کی سمت درست رکھتے ہیں۔ قانون قاعدے کا بھی انسانی زندگی میں احتساب اور گرفت کا اثر ہے اسی سے معاشرے مہذب بنتے ہیں۔ احتساب سے احساس ذمہ داری بھی بڑھ جاتا ہے اور یہ احساس تعمیر وترقی کے پہیے کو رواں دواں رکھتا ہے۔ احتساب کا نظام معاشرتی قدروں کے تحفظ، قانون کی عملداری، سماجی رویوں کے دباؤ اور اخلاقی امور کو تقویت اور زندگی عطا کرتا ہے۔ عالمی مذاہب میں آخرت کا تصور اور اپنے اعمال کے لیے جواب دہی کا تصور نہ صرف انسان کو مہذب بناتا ہے بلکہ انسانی معاشرے کو بُرائی ترک کرنے اور نیکی اپنانے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ احتساب کے قوموں کی ترقی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

2۔ قانون کس طرح احتساب کا کردار ادا کرتا ہے؟

(ب) مختصر نوٹ لکھیں۔

(i) انسانی ضمیر اور احتساب (ii) ترغیبات اور احتساب

(ج) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ احتساب کی تعریف کریں۔

2۔ انسان کا ضمیر کیا ہے؟

3۔ مذہب احتساب کے لیے کیسے راہ ہموار کرتا ہے؟

4۔ تعمیری اور تخریبی عناصر کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

5۔ معاشرے کی اخلاقی قوت کے دباؤ کا اثر کیا ہوتا ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ انسانی سوسائٹی کو متاثر کرتے ہیں۔

(ا) تخریبی عناصر (ب) تعمیری عناصر (ج) قانونی ادارے (د) ا۔ب۔ج

2۔ احتساب ضروری ہوتا ہے تاکہ..........................۔

(ا) عدل وانصاف قائم ہو سکے (ب) تخریب کم ہو جائے (ج) منفی رجحانات کی حوصلہ شکنی ہو (د) ا ،ب،ج

3۔ انسان کے اندر احتساب کی کنجی ہے۔

(ا) دل (ب) دماغ (ج) ضمیر (د) بصیرت

4۔ محاسبے کے بعد..........................ہوجاتی / جاتا ہے۔

(ا) غلطی کی اصلاح (ب) تخریب کا عمل اور تیز (ج) ضمیر کی خلش ختم (د) کوئی فرق نہیں پڑتا۔

5۔ انسانی رویے بدلنے میں بڑا کردار..........................کا ہے۔

(ا) جزا اور سزا (ب) مواخذے (ج) اخلاقی دباؤ (د) مثبت سوچ

(و) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (ج)	کالم (ب)	کالم (الف)
	جرائم کم	تعمیری و تخریبی
	نیکی اور بدی	بچوں کی تربیت
	اساتذہ اور والدین	احتساب کی کنجی
	درست رویّے	کڑا احتساب
	ضمیر	سزا کا خوف
	اخلاقی تربیت	

(ہ) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ طلبہ یہ لکھ کر بتائے کہ اسکول اور کمرۂ جماعت میں طلبہ کا احتساب کیسے ہوتا ہے؟
2۔ طلبہ بتائیں کہ کسی غلطی پر ان کے ضمیر کی آواز کیا تھی۔

(د) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ طلبہ میں سے کسی ایک کو جج اور دو کو وکیل (وکیل استغاثہ اور وکیل صفائی) مقرر کریں۔ عدالت لگائی جائے اور مختلف جرائم میں ملوث طلبہ کا احتساب کر کے سزا سنائی جائے اور کچھ کو خبردار کر کے چھوڑ دیا جائے۔

☆☆☆☆

مذہبی تعلیمات میں پابندیِ وقت کی اہمیت

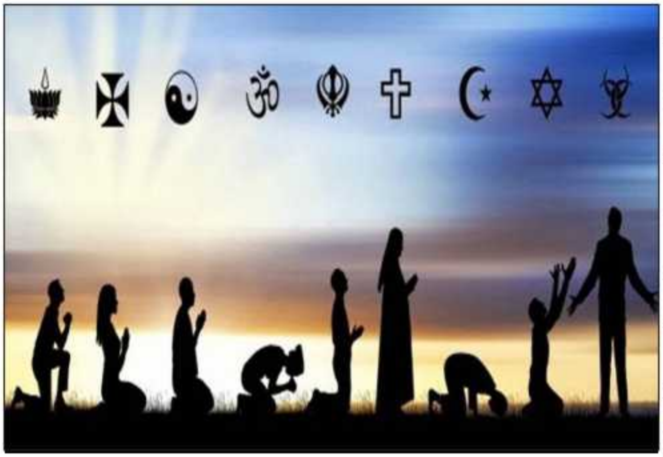

وقت انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے اور انسان ہی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے تو اسے کام میں لائے یا اسے ضائع کرے۔ وقت ذخیرہ کیا جا سکتا ہے اور نہ پیشگی استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ آپ میں سے ہر ایک کے پاس دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں جو بھی اس وقت کی دولت سے فائدہ اٹھاتا ہے، وہ کامیاب ہے اور جو اسے ضائع کرتا ہے، وقت اسے کہیں کا نہیں چھوڑتا۔ یاد رہے کہ وقت بند مٹھی سے گرتی ریت یا برف کے پگھلاؤ کی طرح غیر محسوس انداز میں گزرتا رہتا ہے اور پتا بھی نہیں چلتا۔ مذاہب میں بھی وقت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ جین مت میں تو وقت (کال) کو ایک ابدی حقیقت قرار دیا گیا ہے۔

مذاہب کئی طرح سے وقت کی اہمیت بتاتے اور پابندی وقت کی تاکید کرتے ہیں۔ تمام مذاہب میں عبادات کے نظام موجود ہیں اور اکثر فرض کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ نظامِ اوقات بھی دیا ہوتا ہے۔ ہندو دھرم، یہودیت، عیسائیت، اسلام اور سکھ مذہب میں اگرچہ عبادات کے نظام ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر ان سب میں اوقات کی پابندی لازمی ہے۔ عبادت گاہوں میں اجتماعی عبادات ہوتی ہیں تو لوگوں کو وقت پر عبادت گاہ میں پہنچنا ہوتا ہے۔ ہندو دھرم میں صبح سویرے اٹھنا، اشنان کرنا اور مندر میں پوجا کرنے کے اوقات مقرر ہیں۔ یہودی ہفتے کے روز اور مسیحی ہر اتوار کو مقررہ اوقات میں عبادت کرتے ہیں۔ مسلمان نماز جمعہ کا وقت مقررہ پر اہتمام کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی تمام عبادت گاہوں میں عبادت کے اوقات مقرر ہوتے ہیں اور نظامُ الاوقات آویزاں کیا ہوتا ہے۔ جن مذاہب میں روزہ رکھنا فرض ہے ان کے لیے بھی اوقات مقرر ہوتے ہیں۔ اسلام کے جامع عبادات کے نظام میں روزانہ پانچ وقت کی نماز، نماز جمعہ، نماز عیدین اور مختلف قسم کی مختسب عبادات (نوافل) کے لیے اوقات متعین ہیں۔ اسی طرح حج اور قربانی کے دن بھی مقرر ہیں۔

آپ کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ میں جائیں، آپ کو عبادات کے نظام الاوقات کا اندازہ ہوگا۔ مسجد میں نمازوں کے اوقات کا نظام ملے گا۔ روزوں کی افطاری کے لیے باقاعدہ اوقات شائع کیے جاتے ہیں۔ بدھوں کا وہارہ ہو یا سکھوں کا گوردوارہ، ہندوؤں کا مندر ہو یا مسیحیوں کا چرچ، وہاں عبادت کے اوقات کی پابندی لازمی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب میں انسان کو وقت کی اہمیت اور پابندیِ وقت کے سبق دیئے جاتے ہیں۔ زندگی دراصل اسی پابندیِ وقت کا دوسرا نام ہے۔ جبکہ آوارگی میں وقت ضائع کرنے کو زندگی نہیں کہا جا سکتا۔

ذرا غور کیجیے فطرت ہمیں وقت کی پابندی کے کیا کیا سبق سکھاتی ہے؟ سورج وقت پر طلوع ہوتا ہے، چاند، ستاروں کی گردش، موسموں کی آمدورفت اور کائنات کا ہر ذرہ وقت کا پابند ہے۔ فصلوں کا اُگنا، پھل پھولوں کا پیدا ہونا سب کچھ اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ جو

فصلیں موسمِ گرما کی ہیں وہ سرما میں نہیں اُگائی جا سکتی ہیں۔ اِسی طرح جو پھول، سبزی جس موسم وقت میں اگتے ہیں اس کے علاوہ نہیں اگتے اگر کسان وقت ضائع کر دے تو تمام فصلیں، پھل اور سبزیاں وغیرہ اُگانے کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ گویا فطرت انسان کو یہ بتا رہی ہے کہ اگر وقت کی پابندی نہ کی جائے، تو کائنات کا وجود سیکنڈوں میں ختم ہو سکتا ہے۔

تمام مذاہب آخری زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ یومِ آخرت میں انسان سے سب سے بڑا سوال یہی ہوگا کہ زندگی (جو وقت کا دوسرا نام ہے) کیسے گزاری اور کہاں صرف کی؟ ایک اور قول ہے کہ لوگ دو چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے ایک صحت اور دوسرا فرصت کے اوقات سے ضائع کرتے ہیں۔

تمام مذاہب کے تہوار اور دیگر تقریبات اپنے اپنے وقت پر سال کے مختلف مہینوں میں مقررہ وقت پر منائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی عیدیں (عید الفطر، عید الاضحیٰ، عید میلاد النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ)، روزے اور محرم وغیرہ خاص وقت پر منائے جاتے ہیں۔ اگر مقررہ وقت پر یہ تہوار نہ منائے جائیں تو تہوار کی خوشیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

ہندو دھرم میں ہولی، دیوالی، جنم اشٹمی، کرواچوت اور نوراترے وغیرہ اپنے اپنے وقت پر منائے جاتے ہیں۔ تہواروں کے دِنوں میں ایک خاص گہما گہمی اور خوبصورتی اِسی لیے ہوتی ہے کہ تمام لوگ وقت مل کر وہ تہوار مناتے ہیں۔ بابا گورونانک صاحب جی کا جنم دن اور وساکھی کا تہوار سِکھ برادری میں بڑی عقیدت اور دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اِسی طرح نوروز (زرتشت مذہب)، کرسمس اور ایسٹر (مسیحیت) تمام تہوار اپنے مقررہ وقت پر اُس مذہب کے ماننے والے مذہبی جوش و خروش اور عقیدت سے مناتے ہیں۔

تمام مذاہب کی تعلیمات میں عبادات کو فضیلت حاصل ہے اور عبادات میں پابندیِ وقت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اگر مذاہب میں عبادات کے اوقات صبح سویرے شروع ہوتے ہیں۔ انسان نے مشین کا حصہ بن کر اپنے نظام الاوقات بدل دیے ہیں جس سے ناآسودگی بڑھتی جا رہی ہے۔ دین اور مذاہب عین فطرت ہیں اور وہ فطرت کے قریب رہنے کا درس دیتے ہیں۔ اوقات کی پابندی دراصل فطرت سے ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ مذاہب میں پابندیِ وقت کی تلقین پر مضمون لکھیے۔

2۔ مذاہب میں کون کون سے اُمورِ وقت کی پابندی کی تربیت دیتے ہیں، مفصل لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ وقت کیسی دولت ہے؟

2۔ کون سی دولت تمام انسانوں کو برابر دی گئی ہے؟

3۔ عبادات اور وقت کا تعلق کیا ہے؟

4۔ وقت کے حوالے سے فطرت ہمیں کیا سبق دیتی ہے؟

5۔ روزِ محشر سب سے بڑا سوال کیا ہوگا؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ انسان کی سب سے قیمتی متاع .... ہے۔

(ا) صحت (ب) دولت (ج) وقت (د) اخلاق

2۔ عبادت کے لیے .... ضروری ہے۔

(ا) طہارت (ب) وقت کی پابندی (ج) صحت (د) عقیدہ

3۔ تمام انسانوں کو ایک چیز برابر دی گئی ہے۔

(ا) صحت (ب) ذہن (ج) وقت (د) سوجھ بوجھ

4۔ فطرت ہمیں .... کی پابندی کا درس دیتی ہے۔

(ا) اصولوں (ب) وقت (ج) شرع (د) اخلاقیات

(د) صحیح جملے کے سامنے "ص" اور غلط کے سامنے "غ" لگائیے۔

1۔ وقت کے استعمال کا اختیار فرد کو حاصل ہے۔

2۔ مذاہب اہمیت کی بجائے وقت کی پابندی پر زور دیتے ہیں۔

3۔ آخرت میں انسان کے سامنے سب سے بڑا سوال اعمال کا ہوگا۔

4۔ وقت کی پابندی فطرت سے ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے۔

5۔ تمام مذاہب کی تعلیمات میں وقت کو فضیلت حاصل ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ کمرۂ جماعت میں لگی گھڑی کی سیکنڈوں کی سوئی پر نظر جما کر وقت کے گزرنے کا احساس کیجیے۔

2۔ طالب علم وقت کی قدر نہ کرے تو کیا نتائج نکلتے ہیں اس پر گروہی مباحثہ کر کے اہم نکات نوٹ کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ گھڑی کی ایجاد سے پہلے وقت کے پیمانوں کے بارے میں بتائیے مثلاً، ریت کی ریزش، سورج، چاند، ستاروں کی حرکت اور سایہ وغیرہ۔

☆☆☆☆

باب 4
عوامی مقامات کے آداب

ریلوے اسٹیشن

1۔ ریل گاڑی کے ڈبے میں سوار ہونے سے پہلے اُترنے والوں کو موقع دیں۔ جہاں اُترنے اور چڑھنے کے الگ الگ دروازے ہوں، وہاں صرف متعلقہ دروازہ ہی استعمال کریں۔

2۔ خواتین، بچوں، معذور افراد اور بزرگوں کا احترام کریں اور انھیں بیٹھنے کی جگہ پہلے دیں۔

3۔ ڈبے میں نشست پر بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کے اخبارات و رسائل اجازت کے بغیر نہ پڑھیں۔

4۔ کھڑا ہونا پڑے تو مناسب فاصلہ رکھیں اور دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوں۔

5۔ بیگ یا سوٹ کیس سیٹ پر نہ رکھیے۔ ٹانگیں پھیلا کر نہ بیٹھیے۔

6۔ ریل کے ڈبّے میں میوزک اور موبائل کا استعمال اونچی آواز میں نہ کریں، گفتگو، ہنسی مذاق یا شور شرابہ نہ کیجیے۔

7۔ ڈبے میں دھکّے دے کر راستہ نہ بنایئے۔ کسی سے کوئی چیز لے کر نہ کھائیں۔

8۔ قلی آپ کا سامان اٹھائے تو اس کے پیچھے چلیے اور اسے تیز چلنے پر مجبور نہ کریں۔

9۔ ہمیشہ ریل کا ٹکٹ لے کر سفر کریں بغیر ٹکٹ سفر کرنا مشکلات میں مبتلا کر سکتا ہے بہتر ہے اور قانوناً جرم بھی ہے۔

10۔ ریل گاڑی دیر سے آنے کی صورت میں سٹیشن پر موجود انتظار گاہ میں بیٹھیں۔

11۔ ریلوے اسٹیشن اور ریل گاڑی میں نشہ آور اشیا سے پرہیز کریں۔

12۔ ریلوے اسٹیشن اور ریل میں سفر کے دوران صفائی کا خاص خیال رکھیں۔

13۔ ریل میں سفر کے دوران اپنے سامان کی حفاظت کا خاص خیال رکھیں۔

14۔ ریل میں سفر کے دوران ریل کے دروازے پر مت کھڑے ہوں۔

15۔ ریلوے اسٹیشن پر ہونے والے اعلانات کو غور سے سنیں اور اپنے مطلوبہ پلیٹ فارم نمبر پر ٹرین آنے سے پہلے پہنچ جائیں۔

بس اسٹینڈ:

مقامی اور شہروں کے مابین چلنے والی گاڑیوں اور بسوں میں سفر کے تقاضے، سہولیات اور آداب ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہوتے ہیں۔ تاہم آپ مجموعی طور پر ان آداب کا خیال رکھیں۔

1۔ اندرونِ شہر چلنے والی بسوں میں چند سیٹیں معذوروں اور خواتین کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔ ان کے استحقاق کا خیال رکھیں۔

2۔ خواتین، معذور افراد، بچوں اور بزرگوں کو سیٹ پر بیٹھنے دیں۔ طلبہ خاص طور پر اس بات کا خیال رکھیں کہ ہمارے تہذیبی، مذہبی اور معاشرتی آداب میں بزرگوں اور خواتین کا خیال رکھا جاتا ہے۔ بسوں میں بھی ان کا خیال رکھیں۔

3۔ مقامی بسوں میں کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑے تو ایک دوسرے سے مناسب فاصلہ رکھیں۔

4۔ بس میں سوار ہوتے وقت قطار بنا کر سوار ہوں اور ایک دوسرے کو دھکے نہ دیجیے۔

5۔ خواتین کے لیے بسوں میں مرد ہرگز داخل نہ ہوں۔

6۔ اگر آپ کو قے آنے کی شکایت ہو، تو گھر سے پلاسٹک کا خالی بیگ اپنے ساتھ لائیں۔

7۔ سردی یا بارش کی صورت میں شیشے بند رکھیں۔ اگر گاڑی میں ایئر کنڈیشنر لگے ہوں تو بھی شیشے اور دروازے بند رکھیں اور پردے نہ ہٹائیں۔ عام حالات میں شیشے کھلے رکھیں۔

8۔ عام طور پر طلبہ بسوں کے دروازوں میں کھڑے ہو کر یا لٹک کر سفر کرتے ہیں۔ اس سے پرہیز کریں یہ طریقہ غیر مہذب ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ بس میں کسی سے کوئی چیز لے کر نہ کھائیں۔

10۔ ناگزیر صورت میں موبائل فون پر گفتگو دھیمے لہجے میں کیجیے۔ کبھی بھی بس کی چھت پر یا دروازے میں لٹک سفر نہ کریں۔

11۔ بس اسٹینڈ اور بس میں نشہ آور اشیا سے پرہیز کریں۔

12۔ پریشانی سے بچنے کے لیے ہمیشہ وقت سے پہلے بس اسٹینڈ پر پہنچ جائیں۔

13۔ بس اسٹینڈ پر ہونے والے اعلانات کو توجہ سے سنیں اور بس اسٹینڈ پر عملے کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔

14۔ بس میں سفر کے دوران کسی کے ساتھ اپنی ذاتی معلومات کو شیئر نہ کریں۔

ہوائی اڈا:

1۔ ریل یا بس کی نسبت ہوائی سفر میں زیادہ سہولتیں میسر آتی ہیں لیکن اندرون ملک یا بیرون ملک ہوائی سفر کے لیے اصول وضوابط اور قوانین خاصے سخت ہوتے ہیں۔ ان ضابطوں کا پورا پورا خیال رکھیے۔

2۔ سیکورٹی کا عملہ آپ کے تحفظ کے لیے ہے۔ ان سے کھلے دل سے تعاون کیجیے، بار بار اور مکمل چیکنگ اگر ناگوار گزرے تو بھی اعتراض نہ کیجیے بلکہ سیکورٹی کے عملے سے تعاون کیجیے۔

3۔ جو اشیا ہوائی سفر میں لے جانا منع ہے اس سے پرہیز کریں۔

4۔ سیکورٹی عملے کے سوالات کے جوابات درست دیجیے۔

5۔ دھند یا موسمی خرابی کی وجہ سے پرواز میں تاخیر ہو جاتی ہے ایسے حالات میں صبر و تحمل سے کام لیجیے اور اگر کسی ناگزیر صورت میں پرواز منسوخ ہو جائے تو عملے کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہ کریں۔ اس میں ہوائی عملہ قصوروار نہیں ہوتا۔ ہر مسئلے کا ایک قانونی اور اخلاقی حل ہوتا ہے آپ بھی وہی اختیار کریں۔

6۔ اپنا رویہ ہر صورت میں شائستہ رکھیے۔

7۔ اگر کسی ناگزیر صورت میں آپ کو مربوط پرواز (Connecting Flight) نہ مل سکے تو پریشانی کے عالم میں اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیئے۔ آپ کا استحقاق ہے کہ آپ اگلی پرواز سے جا سکتے ہیں اور آپ کو ہوائی کمپنی والے قوانین کے مطابق سہولت دیں گے۔

8۔ اپنے کاغذات وغیرہ مکمل حالت میں رکھیں اور جب تک منزل پر نہ پہنچ جائیں، انھیں دستی بیگ میں اپنے پاس پوری حفاظت سے رکھیے۔

9۔ جوتے ایسے پہنیں بوقتِ ضرورت آسانی سے اتروائے جا سکیں۔

10۔ انتظارگاہ میں صرف ایک نشست استعمال کریں۔ بھیڑ کی صورت میں بزرگوں، حاملہ خواتین، معذور افراد اور بچوں کو جگہ دیں۔

بازار (مارکیٹ):

مارکیٹ اور بازار کاروباری مراکز ہیں۔ یہاں وسیع پیمانے پر لوگوں کی آمدورفت اور چیزوں کی خریداری کی جاتی ہے۔ اس طرح

جہاں بہت سے لوگ اپنے مفادات کے لیے اکٹھے ہوں وہاں قانون کی عملداری کے علاوہ اخلاقی تقاضے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ مارکیٹ میں گاہکوں اور دکانداروں کو ان آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔

1۔ گاڑی مارکیٹ میں مقررہ یا ایسی جگہ کھڑی کریں جہاں وہ دوسروں کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔

2۔ بعض اوقات افراد کی بھیڑ اور خریداروں کی کثرت کی وجہ سے خریداری کے لیے قطار بنانا پڑتی ہے ایسی صورت میں قطار میں شامل رہ کر مطلوبہ اشیا خریدیں۔

3۔ خواتین کا احترام کریں اور ان کے ساتھ زیادہ شائستگی اور نرمی سے پیش آئیں۔

4۔ جہاں کاروباری طبقے کے لیے ضروری ہے کہ امانت اور دیانت کا چلن عام کریں وہاں گاہکوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ غلطی سے فالتو رقم آجانے پر اُسے دُکان دار کو فوراً واپس کر دیں اور اخلاق قدروں کا خیال رکھیں۔

5۔ سودے بازی میں باہمی عزّت و احترام کا خیال رکھیں۔ کسی بھی لمحے شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

6۔ کاروبار میں ناپ تول کو پورا رکھیں اور نقائص کو نہ چھپائیں بلکہ گاہک کو بتا دیں کہ اس مال میں یہ خامی موجود ہے۔

7۔ خاص تہواروں کے موقع پر بازاروں اور بڑے شاپنگ مالز میں رش بڑھ جاتا ہے اس لیے اپنی چیزوں اور چھوٹے بچوں کا خاص خیال رکھیں۔

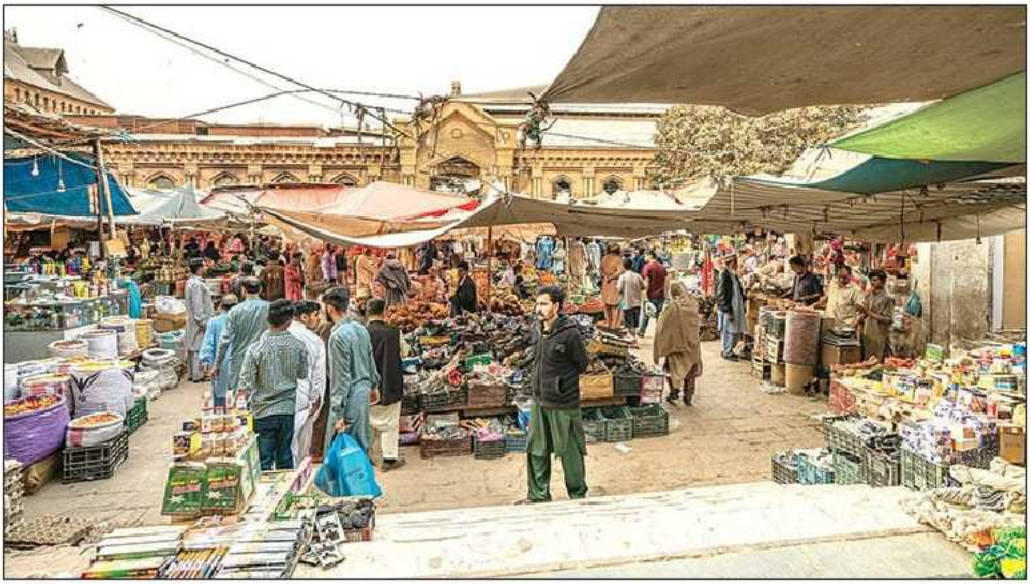

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

-1 عوامی مقامات پرآداب کی افادیت بیان کریں۔

-2 درج ذیل پرمختصرنوٹ لکھیں۔

(i) بس میں سفر کے آداب (ii) ہوائی اڈے کے آداب

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

-1 آداب ایک فرد کو کیا دیتے ہیں؟

-2 آداب معاشرے کے لیے کیوں کر مفید ہیں؟

-3 قلّی سے سامان اٹھواتے وقت کس بات کا خیال رکھنا چاہیے؟

-4 دھند یا خراب موسم کی وجہ سے پرواز میں تاخیر ہوتو ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

-5 موبائل فون کے استعمال کے آداب کیا ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

-1 ریل کے ڈبّے میں...................... نہ دیں۔

(ا) دھکے (ب) سامان (ج) فاصلہ (د) ا،ب،ج

-2 بس میں .... کے مخصوص حصّہ میں مرد داخل نہ ہوں۔

(ا) بچے (ب) معذور (ج) خواتین (د) ا،ب،ج

-3 ہوائی اڈے پر سیکورٹی عملے کے ساتھ...................... کریں۔

(ا) بات چیت (ب) تعاون (ج) لڑائی جھگڑا (د) ا،ب،ج

-4 شائستگی...................... کا نام ہے۔

(ا) مذہب (ب) آداب (ج) تعلیم یافتہ ہونے (د) ا،ب،ج

-5 دُکان پر بھیڑ زیادہ ہوتو......................بنائیں۔

(ا) قطار (ب) اخلاق (ج) باتیں (د) ا،ب،ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

-1 ہوائی اڈا پر .... کے عملے سے خوش دلی سے تعاون کیجیے۔

-2 کاروبار میں .... کو پورا رکھیں۔

-3 ہوائی اڈا پر .... کے عملے سے خوش دلی سے تعاون کیجیے۔

-4 نشست پر .... پھیلا کر نہ بیٹھے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

-1 کمرہ جماعت کے آداب کیا ہیں؟ گروہی مباحثے کے بعد اہم نکات خوش خط لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں اور تمام طلبہ ان آداب پر عمل کریں۔

-2 آداب کے فائدے کے عنوان سے چند اہم فوائد خوش خط لکھیے اور نمایاں جگہ پر چسپاں کیجیے۔

-3 بچوں کو مہذب بنانا ہے تو ان سے مقررہ آداب کی پابندی کرائیے۔ آداب پر عمل کرنے والے بچوں کی حوصلہ افزائی کیجیے۔

☆☆☆☆

باب 5

مشاہیر

فلاسفر ارسطو

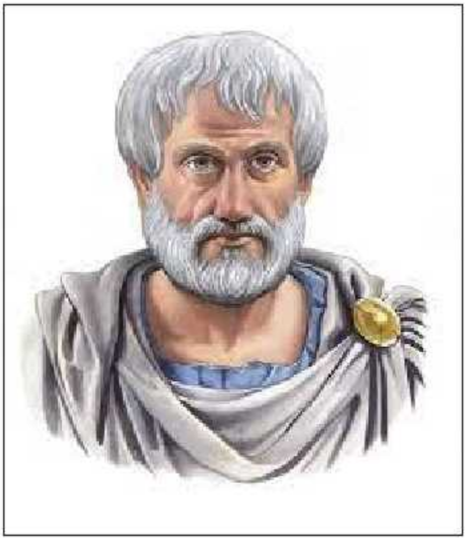

علم ودانش کی بات ہوتو یقینا نظر یونان کے ان دانش وروں پر جا رکتی ہے، جن کی نظیر علمی دُنیا میں نہیں ملتی۔ علم کی بات نہ تو ان کے بغیر شروع ہوسکتی ہے اور نہ ہی مکمل۔ ان فلاسفروں میں سقراط، افلاطون اور ارسطو سرِ فہرست ہیں۔ آج جدید ٹیکنالوجی نے حصولِ علم اور تحقیق کے ذرائع نہایت آسان بنا دیے ہیں لیکن تقریباً تین ہزار سال پہلے کا دَور ایک مشکل دَور تھا۔ اس کے باوجود یونان کے ان مفکرین نے روشنی کے جو مینار کھڑے کیے، وہ علمی دنیا کے اہم سنگِ میل ہیں۔

ارسطو (384-322 ق مBCE) یونان کے شہر سٹاگرا میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر یونان کے دارالحکومت ایتھنز سے دوسو میل دُور تھریس بندرگاہ کے قریب واقع ہے۔ ان کے والد ریاستِ مقدونیہ کے شاہی طبیب تھے۔ ارسطو ابھی کم عمر ہی تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے۔ اب وہ پڑھائی کی طرف مائل ہوئے۔ ان کا طبعی میلان طبعیات کی طرف تھا۔ والد کے انتقال کے بعد ارسطو کی پرورش کی ذمہ داری اس کے ایک قریبی عزیز نے اپنے سَر لے لی۔ ارسطو کو 17 سال کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایتھنز بھیج دیا گیا۔

ایتھنز پہنچ کر ارسطو نے افلاطون کی اکیڈمی میں داخلہ لیا۔ انھوں نے افلاطون کی شاگردی اختیار کی تو ان کا میلان فلسفے کی طرف ہو گیا۔ یہاں اس نے اپنی زندگی کے انتہائی اہم 20 سال تحصیل علم میں گزارے۔ ارسطو کے روپ میں افلاطون کو نہایت مشکل شاگرد ملا، ارسطو اپنے استاد سے بہت بحث کیا کرتا تھا اور اکثر افلاطون سے اختلاف کیا کرتا مگر یہ اختلاف ذاتی نہیں بلکہ نظریاتی ہوتا تھا۔ ذاتی طور پر وہ افلاطون کی بہت عزت کرتا تھا اور جب تک افلاطون زندہ رہا ارسطو اکیڈی سے وابستہ رہا۔ انھوں نے مسلسل بیس سال تک افلاطون سے علم حاصل کیا اور اپنے استاد کی وفات کے بعد ایتھنز چھوڑ دیا۔

اکیڈمی میں ارسطو ایک محنتی اور بے باک شاگرد کی حیثیت سے مشہور ہوا وہ رات گئے تک دیے کی روشنی میں مطالعہ اور خوب غور وفکر کرنے کے بعد صبح آ کر اپنے استاد سے مباحثہ کیا کرتا اور واضح الفاظ میں اختلافِ رائے کا اظہار کرتا۔ اکیڈمی کو خیر باد کہنے کے بعد ارسطو نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اٹارنیوس کے حکمران کی بھتیجی سے اُن کی شادی ہوئی۔

343 قبل مسیح (BCE) میں مقدونیہ کے فرماں رواِفلِیپوس (Philippos) نے ارسطو کو اپنے بیٹے سکندر کا اُستاد مقرر کیا۔ اس زمانے میں ارسطو کی شہرت یونان کے سب سے ذہین استاد کی تھی۔ اس وقت سکندر کی عمر 13 سال تھی۔ انھوں نے سکندر کی تعلیم وتربیت اچھی طرح کی۔ سکندر بھی ان کا احترام کرتا تھا۔ اس کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ میرے باپ نے مجھے زندگی دی، اور میرے استاد نے مجھے جینے کا سلیقہ سکھایا۔ بہرحال سکندر اپنے والد کی وفات کے بعد حکمران بنا تو دنیا فتح کرنے نکلا اور سکندرِ اعظم کہلایا۔

مستقبل کے سکندرِ اعظم نے 13 سال کی عمر میں ارسطو کا شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ مؤرخین کے مطابق سکندر کے ذہن پر ارسطو کی گہری چھاپ تھی۔ سن 336 قبلِ مسیح (BCE) میں سکندر کی تخت نشینی کے بعد ارسطو مقدونیہ سے رخصت ہوا۔ وہ کچھ عرصہ اسٹیگرا میں رہنے کے بعد واپس ایتھنز پہنچا اور درس وتدریس اور تحقیق کا کام شروع کیا۔ اس نے اپنے مکتب میں باقاعدہ تجربہ گاہ اور کتب خانہ قائم کرنے کے علاوہ لیکچر ہال تیار کروائے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سکندرِ اعظم نے ارسطو کو سائنسی اور میڈیکل تحقیق کے لیے 1000 غلام دیے تھے، جو دنیا کے کونے کونے میں جا کر ہر جانور اور ہر پودے کے نمونے حاصل کر کے لائے۔ علاوہ ازیں سکندر اعظم نے ارسطو کو ایک خطیر رقم پیش کی تھی، جس سے ارسطو نے دنیا کے ہر خطے سے قلمی نسخے منگوا کر مطالعہ کیا۔

ان 323 قبل مسیح (BCE) میں سکندر اعظم کی وفات ہوئی۔ دنیا فتح کرنے کے جنون میں سکندر نے مرنے سے پہلے یونان کی چھوٹی ریاستیں فتح کیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان ریاستوں خصوصاً ایتھنز کے مکین سکندر اعظم سے نالاں تھے۔ سکندر کی وفات کے بعد ایتھنز کے باشندوں نے مقدونیہ کے سیاسی اقدار کے خلاف بغاوت کر ڈالی اور سکندر کے حامیوں کو شکست دی۔ سکندر اعظم کی وفات کے بعد ارسطو ایک دفعہ پھر ایتھنز آ گئے اور اپنا مدرسہ لیسیئم (Lyceum) قائم کیا اور وہ اگلے بارہ برس تک یہ مدرسہ چلاتے رہے لیکن ایتھنز کے مکینوں کو سکندرِ اعظم اس کی فوج اور باقیات سے چڑ تھی، سو وہ سکندر کے استاد کو کیسے برداشت کر سکتے تھے؟

ارسطو نے ہَوا کا رُخ سمجھ لیا اور ایتھنز سے کوچ کرتے وقت کہا ''میں ایتھنز والوں کو دوبارہ موقع نہیں دوں گا کہ وہ سقراط کی طرح مجھے بھی ختم کرنے کا گناہ کریں۔'' ارسطو بہت زرخیز ذہن کے مالک تھے انھوں نے طبعیات، فلسفے، نفسیات، حیاتیات اور اخلاقیات پر مستند کتابیں لکھیں۔ ان کا طریقۂ کار یہ تھا کہ صبح کے وقت وہ اپنے چند شاگردوں کے ساتھ فلسفے کے مختلف موضوعات پر بحث کرتے اور شام کو ایک عوامی حلقے میں تقریر کرتے تھے۔ ان کی کتابیں انھی تقاریر کا مجموعہ ہیں۔

ارسطو کی تحاریر:

ارسطو سے سیکڑوں کتابیں اور رسالے منسوب کیے جاتے ہیں جن میں سے زیادہ تر ضائع ہو گئے۔ کچھ قدیم مصنفین نے ارسطو کی تصانیف کی تعداد چار سو بتائی ہے اور کچھ نے ان کی تعداد ایک ہزار تک بتائی ہے۔ بہرحال اس بات سے یہ ضرور پتا چلا کہ ارسطو نے جو کچھ لکھا وہ سب کا سب ہم تک نہیں پہنچا۔ لیکن منطق، سائنس، فلسفہ، اخلاق وسیاست کے بارے میں کئی اہم تصانیف کے علاوہ ''فنِ خطابت'' اور ''بوطیقا'' ہم تک پہنچی ہیں۔ ارسطو کی یہ ساری تصانیف ذہن انسانی کے لئے آج بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ ارسطو کی ایک بنیادی

اور ''بوطیقا''، ہم تک پہنچی ہیں۔ ارسطو کی یہ ساری تصانیف ذہن انسانی کے لئے آج بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ ارسطو کی ایک بنیادی اہمیت یہ ہے کہ اس نے سائنس، فلسفہ و منطق وغیرہ کی ایسی لاتعداد اصطلاحات وضع کیں کہ دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود ہم آج بھی انھی اصطلاحات کی مدد سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔

مابعدالطبیعات:

مابعدِ طبیعات کے لغوی معانی اس شے یا علم کے ہیں جو طبیعات کے بعد آئے۔ ارسطو نے پہلے طبیعات کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں کے بعد جو کچھ لکھا اسے کوئی مخصوص عنوان نہ دیا، اس لیے ان تحریروں کو مابعدِ طبیعات کہا جانے لگا۔

یہاں ارسطو کی مابعدطبیعات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ ارسطو کے مابعدطبیعاتی فلسفے میں چا موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

1۔ مایہ: (Substance)

2۔ سبب: (Causality)

3۔ موجودات کی ہیئت: (Nature of beings)

4۔ خدا کا وجود: (Existance of God)

خوشی اور اخلاقیات:

انسان جو بھی عمل کرتا ہے یا جو بھی نقل وحرکت کرتا ہے۔ ان کے پیچھے یقیناً کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو ہر عمل کو حتمی مقصد خوشی یا مزاح حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی انسان ورزش کرتا ہے تو اس کا مقصد صحت مند رہنا اور صحت مند رہنے کا مقصد خوش رہنا ہے۔ اس لیے ورزش کا حتمی مقصد خوشی کا حصول ہے اس طرح انسان کی دن رات کی ان تھک محنت کسی نہ کسی مسرت ہی کو جستجو ہوتی ہے۔ کسی کے لیے دولت خوشی ہے تو کسی کے لیے صحت اور کسی کے لیے طاقت اور اقتدار وغیرہ۔

ارسطو کا نظام اخلاق اس نکتہ پر مشتمل ہے کہ خوشی کی طلب میں جو عمل یا کام کاج کیے جائیں ان کی بنیاد نیکی (Virtue) یا اچھائی پر ہونی چاہیے۔ یعنی یہ اعمال نسل انسانی کے انفرادی حتی کہ اجتماعی بہتری کے لیے مناسب اور ضروری ہوں۔

سیاست:

ارسطو نے اپنے سیاسی نظریے کی وضاحت کے لیے ایک کتاب سیاست (Politics) لکھی جس میں وہ اپنے استاد افلاطون سے اس بات پر متفق ہے کہ ''فرد کی طرح ریاست بھی ایک بنیادی مقصد رکھتی ہے۔ یہ بنیادی مقصد عوام کی بھلائی اور خوشحالی ہے۔'' ارسطور کہتا ہے کہ اگر کسی کو ریاست کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تو وہ انسانیت کے درجے سے بہت بلند ہے یا پھر انسانیت کے درجے سے کم تر ہے۔ دوسرے الفاظ میں صرف خدا اور جانور کو ریاست کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر انسان کسی معاشرے یا ریاست کے بغیر رہتا ہے تو اس کی زندگی بالکل وحشی جانوروں کی سی ہوتی ہے۔ یہ ریاست ہی ہے کہ جو وحشی کو انسان بنا کر اسے نیکی اور بھلائی کی تعلیم دیتی ہے اور نیکی کرنے کے مواقع بھی فراہم کرتی ہے۔

ارسطو ریاست کی چھے اقسام بتاتا ہے جن میں سے تین اصلی ریاست کی ہیں اور تین قسمیں ان کی بگڑی ہوئی شکلیں یا متضاد ہیں۔

1۔ بادشاہت (Monarchy)

اس قسم کی حکومت میں بادشاہ اپنی حلاصیتوں، نیکی، ذہانت، بہادری، قانونی اور اخلاقی طریقوں سے حکومت کرتا ہے اور عوام کی بھلائی کے لیے کام کرتا ہے۔ اس نظام کی مسخ شُدہ صورت یا متضاد جبری حکومت ہے جس کا مقصد عوام کی بھلائی کے بجائے عوام کے حقوق غصب کرنا، لوٹ مار کرنا اور اپنے طبقے کے ذاتی مفادات حاصل کرنا ہے۔ اس قسم کے حکمران لوگوں کو مار کر، حراساں کر کے اور دہشت زدہ کر کے حکومت کرتے ہیں۔ اور عوام کی مرضی کی قطعی پروا نہیں کرتے۔

2۔ امراراج (Aristocracy)

اگر نیک اور شریف امرا خاندان کسی اصول اور ضابطے کے تحت حکومت کریں جس میں عوام کی رضامندی بھی شامل ہو اور ان کے مفادات کا خیال بھی رکھا جائے۔ تو اسے امراراج کہنا چاہیے۔ اس راج یا نظام حکومت کی مسخ شدہ صورت (Oligarchy) سے ہے، یہ بھی امراراج ہے لیکن اس میں امرا عوامی مفادات کی بجائے ذاتی مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔ جو کہ خود غرض، خود پرست، نادان اور بداخلاق ہوتے ہیں۔

3۔ آئینی جمہوریت (Timocracy)

اس طرز حکومت میں ایک آئین ہونا چاہیے اور حکمران اس آئین کے تحت حکومت کریں حکمران عوام میں سے ہوں اور عوام کو اپنے مکمل حقوق و فرائض کی مکمل آگاہی ہو۔

ریاست کیسی ہونی چاہیے:

ارسطو نے تین نظام حکومت اس لیے دیے ہیں کہ لوگ اپنے علاقے کی ضروریات اور عوام کے مزاج کے مطابق ان تینوں میں سے کسی ایک کو نافذ کریں۔ لیکن ایک بات جو ان تمام نظاموں حکمرانوں میں ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ عوام کو نیکی اور خوشحالی تک پہنچا دیں۔

1۔ ریاست کو درمیانی رقبے پر مشتمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ زیادہ بڑی ریاست کا انتظام سنبھالنا دشوار ہوتا ہے اور زیادہ چھوٹی ریاست اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔

2۔ ریاست کو اپنی فاضل اضافی اشیا برآمد اور ضرورت کی اشیا درآمد کرنی چاہییں۔

3۔ ثقافتی سرگرمیاں ضرور ہونی چاہئیں مگر یہ عیاشی میں تبدیل نہ ہوں۔

4۔ زرعی مزدور، کسان، ہنرمند اور غلام ضرور ہونے چاہئیں۔ مگر یہ شہری (Citizens) نہیں کہلائیں گے۔ مگر شہری صرف وہ لوگ ہوں گے جو کہ نوجوانی میں فوجی، جوانی یا درمیانی عمر میں مجسٹریٹ یا معزز اور بڑھاپے میں مذہبی رہنما بن کر جئیں گے۔

تعلیم دینا ریاست کی ذمہ داری ہو۔ تعلیم انسان کے جسم سے شروع ہونی چاہیے کیونکہ بدن اور اس کی ضروریات روح سے پہلے

پلنے بڑھنے لگتی ہیں۔ جسم کو تعلیم اس لیے دینا چاہیے کہ وہ روح کی تابع ہو سکے اور جسمانی تقاضوں کو تعلیم اس لیے دینا چاہیے کہ وہ عقلی استدلال (Reason) کے تابع ہو سکیں۔

ارسطو کے نظریہ اخلاق میں معاشرے کو زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ انفرادی اخلاق اگر انسانی معاشرے کو فائدہ نہیں دیتا تو اس کا ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ اس لیے انہوں نے انفرادی اخلاق کو نظر انداز کیا۔ جس کے حق میں یہ دلیل دی ہے کہ فرد کے لیے معاشرتی زندگی بہترین زندگی ہے۔ اس لیے ارسطو کی نظر میں اخلاقیات کا اصل موضوع معاشرہ ہے۔ افلاطون نے جو نظامِ حکومت دینے کی کوشش کی اس میں اخلاقیات و سیاسیات کو جڑواں قرار دیا اور سیاست میں بلند اخلاق ہی معاشرے کو اخلاقی کمزوریوں سے پاک رکھ سکتے ہیں۔ ارسطو بھی اپنے استاد کے نظریے سے اتفاق کرتے ہیں۔

ارسطو انسان کی اس زندگی کو بہترین تصور کرتے ہیں، جس میں وہ معاشرے میں رہ کر اپنے تعاون اور حسنِ سلوک بلکہ اپنی قربانی سے اجتماعی مفاد کو پروان چڑھائے۔ وہ اخلاق میں میانہ روی کے قائل ہیں' اور یہ فیصلہ عقل کرتی ہے، اس لیے اخلاقیات میں وہ عقل کو اہمیت دیتے ہیں۔ ارسطو انسانی فضائل کی دو قسمیں بتاتے ہیں۔ ایک علمی اور دوسری اخلاقی اور ان میں وہ اخلاقی فضیلت کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیے۔

-1 ارسطو کے نظامِ اخلاق پر نوٹ لکھیے۔

-2 ارسطو کے حالاتِ زندگی پر مختصر نوٹ لکھیں۔

-3 ارسطو اور سکندر اعظم کا تعلق تفصیل سے بیان کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

-1 مختلف علوم میں یونان کی اہمیت کیا ہے؟

-2 ارسطو نے کس استاد سے تعلیم حاصل کی؟

-3 ارسطو کے مابعد طبیعات کے چار موضوعات کون سے ہیں۔

-4 ارسطو کی تحریریں کن موضوعات پر ہیں؟

-5 ارسطو کے نظامِ اخلاق میں کس کو زیادہ اہمیت حاصل ہے؟

-6 ارسطو نے ایتھنز چھوڑتے وقت کیا کہا تھا؟

-7 ارسطو کے مطابق ریاست کے اصول کون سے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1- سقراط، افلاطون اور ارسطو.......................تھے۔

(ا) ادیب (ب) فلسفی (ج) سائنس دان (د) نفسیات دان

2- ارسطو کے والد.......................تھے۔

(ا) معلم (ب) معالج (ج) مذہبی رہنما (د) وعظ

3- ارسطو کو.......................نے اُستاد مقرر کیا۔

(ا) سکندر (ب) فیلقوس (ج) شاہِ یونان (د) افلاطون

4- ارسطو کے نظریہ اخلاق میں زیادہ اہم ہے۔

(ا) فرد (ب) معاشرہ (ج) حکومت (د) اُمرا

5- ارسطو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔

(ا) اخلاقی فضیلت (ب) علمی فضیلت (ج) عقلی برتری (د) تجربی علم

(د) صحیح جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط کے سامنے ''غ'' لکھیں۔

1- ارسطو کا طبعی رجحان فلسفے کی طرف تھا۔

2- ارسطو نے بیس سال تک افلاطون سے علم حاصل کیا۔

3- سکندرِ اعظم کے دو سال بعد ارسطو فوت ہو گئے۔

4- ارسطو نے انسانی فضائل کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

5- ارسطو اخلاق کے لیے افراط و تفریط کے درمیان سے راستہ نکالتے ہیں۔

6- اسکندرِ اعظم نے ارسطو کو سائنسی و طبّی تحقیق کے لیے اکیلا بھیج دیا۔

7- سکندرِ اعظم کا قول ہے کہ اُستاد نے مجھے جینا سکھایا۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1- طلبہ گلوب میں یونان کا نقشہ دیکھیں یا کسی نقشے میں ایتھنز اور مقدونیہ کو نشان دہی کریں۔

2- یونان کے عظیم مفکرین کا تصویر نامہ تیار کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- ارسطو نے فلسفے کے علاوہ جو کارنامے سرانجام دیے اور کتابیں لکھیں ان کے بارے میں طلبہ کو بتائیے۔

2- طلبہ کو سادہ الفاظ میں علم فلسفہ سے متعارف کرائیں۔

☆☆☆☆

عمانویل کانٹ (IMMANUEL KANT)

عمانوئل کانٹ (1724-1804ء) اٹھارھویں صدی کے ایک نامور فلسفی تھے۔ وہ طبیعات اور ریاضی کے استاد تھے، لیکن انھیں فلسفے سے گہرا لگاؤ تھا۔ انھوں نے فلسفۂ اخلاق میں بڑا نام پیدا کیا۔ بیسویں صدی کے ایک بڑے فلسفی برٹرینڈ رسل نے بھی ان کی تعریف کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فلسفۂ اخلاق کے حامی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج فلسفۂ اخلاق کا ذکر آئے تو کانٹ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کانٹ 22 اپریل 1724 عیسوی کو مشرقی جرمنی میں پرشیا کے شہر کونگز برگ (Konigsberg) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد زین ساز تھے۔ اس کے آبا و اجداد سکاٹ لینڈ سے جرمنی آئے تھے اور پھر وہ یہیں کے ہو رہے۔ کانٹ کے مسیحی والدین پائی ٹائٹس سے تعلق رکھتے تھے۔ اس فرقے کے لوگ اخلاقی قوانین کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ کانٹ کے سادہ لوح والدین نے کانٹ کی تربیت اسی اخلاقی ماحول میں کی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ کانٹ نے زندگی بھر کسی کی دل آزاری نہ کی۔

اپنی ساری زندگی اپنے پُرسکون شہر میں ہی گزاری۔ کوئنز برگ سے باہر جا کر دنیا کو دیکھنے، گھومنے پھرنے یا لوگوں سے ملنے وغیرہ جیسا اسے کبھی کوئی شوق ہوا اور نہ ہی کبھی اس نے کوشش کی لیکن اس چھوٹے سے شہر میں رہتے ہوئے کانٹ نے فلسفے کی دنیا میں ایک بڑا دھماکہ کیا، جس کی بازگشت ابھی تک سنائی دے رہی ہے۔ اس کی زندگی کے معمولات بالکل ایک مشین کی طرح تھے۔ مخصوص وقت پر ناشتہ کر کے گھر سے نکلتے تھے، یونیورسٹی میں فلسفہ پڑھا کر واپس لوٹتے تھے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر شام ساڑھے تین بجے گھر سے چہل قدمی کے لیے نکلتے اور پھر گھر واپس آ جاتے۔ یہی اس کی زندگی تھی، نہ شادی، نہ بیوی، نہ بچے۔ گھر میں اُن کے علاوہ ایک ملازم اور باقی صرف کتابیں تھیں۔ وہ وقت کا اس قدر پابند تھے کہ جب وہ چہل قدمی کے لیے گھر سے نکلتے تو لوگ اپنی گھڑیاں درست کر لیتے تھے۔ وہ بنیادی طور پر ایک غریب، مسکین مگر قناعت پسند اور صابر و شاکر انسان تھے۔

کانٹ نے کونگز برگ ہی میں تعلیم حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد ان کا سلسلہ تعلیم بھی منقطع ہو گیا' اور انھیں اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے بچوں کو پڑھا کر گزارا کرنا پڑا۔ 1755ء میں انھیں ایک دوست کی مدد میسر آئی۔ انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی اور یونیورسٹی میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہاں انھوں نے 27 سال فلسفہ اور منطق کی تدریس کی۔ انھوں نے اس عرصے میں طلبہ کی کثیر تعداد کو متاثر کیا۔ یہاں تک کہ پرشیا کے بادشاہ نے انھیں مذہبی مضامین پڑھانے سے منع کر دیا۔ یہ پابندی اس بادشاہ کی وفات تک جاری رہی۔ کانٹ 12 فروری 1804ء میں فوت ہوئے۔

کانٹ کی زندگی کے کئی پہلو دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ وہ عمر بھر سفر سے گریزاں رہے اور شاید ہی کبھی صوبے سے باہر نکلے ہوں۔انھوں نے اپنی ذاتی زندگی پر علمی کاوشوں کوترجیح دی۔ان کی زندگی میں جرمنی سات مرتبہ انقلابات سے گزرا مگر کانٹ برفیلے پہاڑوں میں گھرے کونگزبرگ میں مقیم رہے۔ وہ ہرروز ایک مقررہ وقت پر سیر کو نکلتے' اور بارش آئے یا آندھی ناغہ نہ کرتے۔ وہ وقت کے اس قدر پابند تھے کہ انہیں سیر پر جاتے دیکھ کرلوگ اپنی گھڑیاں درست کرتے تھے۔اس قدر منظم زندگی گزارنے کا اثر ان کے فلسفے پر بھی رونما ہوا۔ بہت سے فلسفی اور عام لوگ انھیں ملنے آتے۔ آخری عمر میں ان سے ملنے کے لئے آنے والوں کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ انہوں نے لوگوں سے گفتگو بند کر دی اور بہت کم وقت کے لیے وہ لوگوں سے ملتے تھے۔ وہ سفر نامے شوق سے پڑھا کرتے تھے۔انھوں نے نظامِ شمسی کے ایک نئے سیارے یورینس کے وجود کی پیش گوئی کی تھی اور جو درست ثابت ہوئی۔

اس کی زندگی نہایت پُرسکون گزر رہی تھی، لیکن اچانک اس کی زندگی میں زلزلہ آ گیا، جس نے اسے گہری نیند سے جگا دیا۔ یہ زلزلہ تھا ڈیوڈ ہیوم کا تجربیت پسند فلسفہ اور روسو کی کتاب عمانوئل کانٹ بنیادی طور پر ایک مذہبی آدمی تھے، لیکن اس کا مذہب کسی روایتی طور طریقے سے بالاتر تھا۔ اس کے سامنے فلسفے کی دو بڑی تحریکیں تھیں، جن کے حملے سے اسے اپنا دِین ایمان بچانا تھا۔ ان تحریکوں میں ایک عقلیت پسندی (Rationalism) تھی اور دوسری تجربیت پسندی (Empricism) تھی۔

کانٹ کا دور فرانسیسی روشن خیالی کا دَور بھی ہے، جب والٹیر کا قلم پورے یورپ میں تیز دھار تلوار کی طرح رواں تھا۔ والٹیر کے پاس عقلی استدلال کا انتہائی زود اثر ہتھیار تھا، جس کی مدد سے وہ مذہبی نظریات اور توہمات کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہا تھا۔ عقل پرستی کی اس تحریک میں کانٹ کے سامنے خدائی وجود کے منکر اور اس کے حامی تھے، جو دونوں عقلی استدلال کو استعمال کر رہے تھے۔ سینٹ تھامس، اکئناس و دیگر نے عقلی استدلال کو استعمال کرتے ہوئے خدا کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کی تھی تو دوسری طرف کئی لوگوں نے خدا کے وجود کا انکار کیا تھا۔ کانٹ کو عقل کی تلوار سے اپنے ایمان کو بچانا تھا۔ اس کے ایمان کو دوسرا خطرہ لاک اور ہیوم کی تجربیت پسندی سے تھا، جس کا مطلب مادہ پرستی تھا۔ تجربیت پسندی میں خدا، مذہب اور ایمان کا کوئی وجود نہیں تھا اور اس کے ساتھ تجربیت پسندی کا براہِ راست حملہ عقل پرستی پر تھا۔ کانٹ کو عقلیت کا دفاع بھی کرنا تھا لیکن اپنے انداز سے اور عقلیت کو کچھ زیادہ اور جامع معافی دینے تھے۔

کانٹ نے فلسفۂ اخلاق پر کئی کتب لکھیں ان میں ''تنقید عقلِ محض'' (Critique of Pure Reason) زیادہ اہم ہے جسے اس نے بارہ سال میں سوچا اور اگلے چھے ماہ میں لکھ دیا۔ یہ کتاب 1781 عیسوی میں شائع ہوئی۔ اور ''تنقید عقلِ عملی'' 1788 عیسوی میں اور ''مابعد الطبیعات اخلاقیات'' 1797 عیسوی میں منظرِ عام پر آئی۔ تو فلسفے کی دنیا میں بڑی ہلچل مچ گئی۔ فلسفے کے علاوہ انھیں جغرافیے سے بھی دلچسپی رہی۔ انھوں نے یہ مضمون پڑھایا بھی اور اس مضمون سے متعلق ان کی دو کتب بھی شائع ہوئیں۔

تنقید عقل محض:

کانٹ کی کتاب ''تنقید عقلِ محض'' کے عنوان سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ کانٹ نے عقل پر حملہ کر کے اس کے بخیے اُدھیڑ ڈالے ہوں گے، مگر ایسا نہیں ہے۔ یہاں تنقید کا مطلب عام تنقید نہیں ہے۔ کانٹ نے عقل کی چھان بین کر کے اسے ایک نیا مقام دیا۔ فرانسیسی روشن خیالی کے فلسفی اور ادیب خصوصاً والٹیر و دیگر عقل کے ہتھیار سے مذہب خصوصاً مسیحی مذہب پر حملے کرتے رہتے تھے۔ ان کے پاس ہر نظریے اور ایمان کو پرکھنے کا ذریعہ عقل تھی۔

کانٹ نے اپنے ایمان پر حملہ کرنے والے ہتھیار کو کند کرنے کا سوچا۔ آخر یہ عقل مذہب اور ایمان کو برباد کرنے والی کون ہوتی ہے؟ کیا عقل کے فیصلے ہمیشہ درست ہوتے ہیں؟ عقل ایک معروضی حقیقت ہے یا یہ ہر انسان کے پاس اپنی ہوتی ہے؟ خالص عقل کیا ہے؟

تنقیدِ عقلِ عملی:

کانٹ نے خالص عقل پر تنقید کر کے مذہب اور ایمان کو تو بچا لیا مگر نیکی اور اخلاقیات کی ضرورت کا سامنا کرنے کے لیے تنقید عقل عملی لکھی۔ نیکی کیا ہے؟ اور اخلاقی طرز عمل کا ماخذ کیا ہے؟ ہیوم کے مطابق تو ہم جو ہمدردی دکھاتے ہیں اور نیکی کرتے ہیں یہ عقل نہیں بلکہ جذبے (Emotion) کے طابع ہے یعنی اخلاقیات کا ماخد عقل نہیں بلکہ جذبہ ہے۔ کانٹ ڈیوڈ ہیوم سے متفق نا ہوا اور عقلیت پسندوں کی بات کو آگے بڑھایا کیونکہ اس کے خیال میں نیکی کسی ہمدردی کے جذبے کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا فیصلہ عقل کرتی ہے۔ کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ یہ عقل انسان کے اندر پیدائشی (Innate) ہے۔

کانٹ کی ماورائی جمالیات:

کانٹ نے 1790 عیسوی میں ''تنقید فیصلہ''(Critique of Judgement) نامی مقالہ لکھ کر جمالیات کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ ہم اشیا کی خوب صورتی اور بدصورتی کے متعلق اپنی آراء کن بنیادوں پر دیتے ہیں؟ خوب صورتی اشیا میں ہے یا دیکھنے والے کی آنکھ میں؟ یہ معروضی ہے یا موضوعی ہے۔

کانٹ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہاں موضوعی عنصر زیادہ غالب ہے۔ کوئی شے بذاتِ خود خوب صورت ہے نہ بدصورت، بلکہ یہ ہماری سوچیں یا محسوسات ہی ہیں جو ان کو خوب صورت یا بدصورت قرار دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کانٹ کے نزدیک خوب صورتی یا بدصورتی ذاتی پسند یا ناپسند پر مشتمل ہے، جس کی بنیاد کسی عقل، علم یا نظریے کے بجائے صرف جذبے پر ہے۔

مذہب اور عقل:

سن 1793 عیسوی میں قریباً 69 سال کی عمر میں کانٹ نے مذہب اور عقل کے متعلق کافی مقالے لکھے، جن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اخلاقیات کو کسی بھی مذہب کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ انسان میں نیکی کے جذبات بھی قدرتی ہیں۔ صرف ان کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ کانٹ نے بہترین مذہب وہ قرار دیا ہے جس میں ''فرض کی ادائیگی'' کو قانونِ الٰہی سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

دائمی امن:

کانٹ نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں ایک ایسا نظریہ دیا جو موجودہ اقوام متحدہ سے ملتا جلتا ہے اس نے ایسے ادارے کے قیام پر اس لیے زور دیا کہ ریاستوں کے درمیان ہونے والی لڑائی جھگڑوں کا کوئی قانونی تصفیہ کیا جاسکے اور جنگ کے امکانات کو روکا جاسکے۔ کانٹ نے کہا کہ ریاستوں کے درمیان جمہوری تعلقات ہونے چاہئیں۔ جن سے جنگ کو کافی حد تک روکا جاسکتا ہے۔ کیونکہ غیر جمہوری حکومتیں جن میں بادشاہت اور مطلق العنانیت شامل ہیں۔ ہر وقت جنگ کے لیے آمادہ رہتی ہیں۔

کانٹ کے فلسفہ اخلاق کے مطابق اخلاق اس حُسنِ عمل کا نام ہے جس میں ارادے کا دخل ہو۔ انسانی کردار اور افعال اس کے بغیر بے معنی ہیں۔ انسان ذی عقل ہے، جذبات رکھتا ہے اور اسے بنانے والے نے اچھائی یا بُرائی کا اختیار بھی دے رکھا ہے۔ کردار فلسفے اور

اخلاق کا اہم موضوع ہے، جس پر بے شمار فلسفیوں نے اپنے اپنے نظریے پیش کیے ہیں۔ کانٹ ان میں بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ ان کے اخلاقی نظریات میں خیر وشر کے تصورات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کانٹ کے مطابق نیک اور اچھا عمل وہی ہے جو فرض سمجھ کر کیا جائے۔ انسان کی فطرت میں نیکی کا جوہر موجود ہے اور وہ فطرتاً نیک واقع ہوا ہے۔ انسان کو عرفانِ نفس حاصل ہو جائے تو وہ خود غور و فکر کرنے سے نیکی اور بدی کی پہچان کر سکتا ہے۔ کانٹ کے نزدیک اخلاق کے قوانین کا سرچشمہ اس کی عملی زندگی ہے۔

کانٹ اخلاق کے لیے ہر فعل میں ارادے کو اہمیت دیتا ہے۔ اچھائی صرف وہی ہے جو نیک ارادے سے سرانجام دی جائے۔ کانٹ کے اخلاقی نظام میں ارادہ اور نیت وہ بنیادیں ہیں جن پر اس کے نظامِ اخلاق کی عمارت کھڑی ہے۔ کسی بھی عمل کو اخلاق کے پیمانے پر پرکھنے کے لیے، عامل کا ارادہ دیکھا جائے گا اور اس کی نیت کا سراغ لگایا جائے گا، نیت سے پہلے اس کے نفس میں متضاد نظریات کی جنگ ہوتی ہے۔ اغراض، مقاصد اور احساسِ فرض میں تصادم ہوتا ہے اور اسی تصادم سے نیکی کا سرچشمہ پھوٹتا ہے۔ یہاں کانٹ ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں، کہ فرد کے اخلاق کو اجتماعیت میں ڈھلنا چاہیے، کیونکہ اجتماعیت کی فلاح ہی اخلاق کا مطلوب ہے۔ ہم عام طور پر کہتے سنتے ہیں کہ دیانتداری اچھی چیز ہے (Honesty is the best policy)۔ کانٹ کے نزدیک یہ معیار درست نہیں۔ وہ صرف افادی نقطۂ نظر (Utilitarian View) کے قائل نہیں، بلکہ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دیانتداری سے نفع ہو یا نقصان، دیانتداری ہی اپنانا چاہیے، یعنی نیکی کی عادت ہو نہ کہ پالیسی۔ خیر وہی ہے جو عالمگیر صداقت ہو اور دنیا اسے اختیار کر سکے۔

کانٹ کے فلسفۂ اخلاق میں ارادے کے ساتھ ساتھ اصول کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ عموماً اپنے دوست یا عزیز کو مصیبت میں مبتلا پا کر ہم رحم کے جذبے سے سرشار اس کی مدد کرتے ہیں۔ کانٹ کا خیال ہے کہ اس مدد کے جذبے کا محرک بھی درست ہو اگر ہم کسی بھی انسان کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر اسی جذبے سے مدد کرتے ہیں تو یہ اخلاق ہے۔ رفاہی ادارے بلا امتیاز دکھی انسانوں کی مدد کرتے ہیں یہ نیکی ہے۔

کانٹ نیک اعمال کو عادت بنا لینے پر زور دیتے ہیں۔ اعمال میں اتار چڑھاؤ اخلاق کے زمرے میں نہیں آتا۔ وہ صرف اصول اور قاعدے کے مطابق مطلق حکم کو درست تصوّر کرتے ہیں۔ چنانچہ درست فعل وہ ہے جو ایک شخص خود کرے اور چاہے کہ دوسرے بھی ایسا کریں۔ کانٹ آزادی کے حق کے حامی اور جبر کے خلاف ہیں۔ وہ عزم و ارادے کے مطابق سزا کے قائل ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سزا ارادی افعال پر دی جانی چاہیے نہ کہ افعال کا نتیجہ دیکھ کر سزا دی جائے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیے۔

-1 کانٹ کے نظامِ اخلاق کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

-2 کانٹ کے حالاتِ زندگی پر نوٹ لکھیں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

-1 کانٹ کی زندگی کے دلچسپ پہلو کون سے تھے؟

-2 کانٹ فلسفے کے علاوہ کس مضمون سے دلچسپی رکھتے تھے؟

-3 کانٹ اخلاق میں کس چیز کو زیادہ اہم سمجھتے تھے؟

-4 کانٹ نیک اعمال کے بارے میں کس بات پر زور دیتے ہیں؟

-5 کانٹ کا سزا کے بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

-1 عمانوئل کانٹ .... کے استاد تھے۔

(ا) فلسفے اور نفسیات (ب) اخلاقیات اور نفسیات (ج) طبعیات اور ریاضی (د) کیمیا اور طبعیات

-2 عمانوئل کانٹ کے والد .... سے جرمنی آئے تھے۔

(ا) ہالینڈ (ب) انگلینڈ (ج) سکاٹ لینڈ (د) سوئٹزرلینڈ

-3 کانٹ کے نزدیک اخلاق .... کا نام ہے۔

(ا) دیانتداری (ب) ارادے (ج) نیکی (د) حسنِ عمل

-4 کانٹ .... پر سزا کے قائل ہیں۔

(ا) بددیانتی (ب) ارادی افعال (ج) بے اصولی (د) ہر جرم

(د) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

-1 ''ایک منفرد شخصیت'' کے عنوان سے کانٹ کے بارے میں چند باتیں ایک صفحے پر لکھیں اور آپس میں تبادلہ خیال کریں۔

-2 طلبہ کانٹ کے فلسفہ اخلاق کے اہم نکات خوش خط لکھ کر نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔

(ہ) اساتذہ کے لیے ہدایات:

-1 عمانوئل کانٹ کے دَور (اٹھارھویں صدی) اور آج کے زمانے کی جرمن ریاست کے فرق کے بارے میں طلبہ کو آگاہ کریں۔

-2 کانٹ کی کتب کی فہرست تیار کرائیں۔

☆☆☆☆

سری ار بندو گھوش

سری ار بندو گھوش (Aurbindu Ghoosh)(1872-1950) عیسویں گونا گوں خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ ایک متحرک سیاسی رہنما، صوفی، مفکر، شاعر، فلسفی، یوگی اور روحانیت کے ماہر تھے۔ اتنی خوبیاں کم کم لوگوں میں ہوتی ہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کے خطوط کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

سری ار بندو 15 اگست 1872 عیسویں کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈاکٹر گھوش ترقی پسند خیالات کے حامل تھے۔ انھوں نے طب کی تعلیم برطانیہ میں پائی تھی۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کے بچے مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگ جائیں اور مشرقی تہذیب کے اثرات ان پر نہ پڑیں، بلکہ برصغیر پاک و ہند کی تہذیب کا سایہ بھی ان پر نہ پڑنے پائے۔ انھوں نے اپنے بچوں کو دارجلنگ کے کانونٹ سکول میں داخل کرایا' اور تھوڑے ہی عرصے بعد وہ ار بندو اور ان کے دو بھائیوں کو مانچسٹر لے گئے۔ اس وقت ار بندو کی عمر صرف سات سال تھی۔ ان بچوں کو ایک پادری ڈریوٹ کی نگرانی میں دے دیا گیا۔

جناب مسٹر ڈریوٹ نے ار بندو کو لاطینی زبان اچھی طرح سے سکھا دی اور وہ اس لائق ہو گئے کہ سینٹ پال سکول میں داخلہ حاصل کر سکیں۔ اس ادارے میں انھوں نے یونانی زبان میں بھی مہارت حاصل کی۔ تعلیم مکمل ہونے پر ار بندو وطن لوٹ آئے۔ 1893 عیسویں میں جب وہ ہندوستان لوٹے تو وہ بڑودے کالج میں استاد مقرر ہوئے۔ بعد ازاں وہ اسی کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ ان دنوں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ انھوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ وہ جنگانتر پارٹی کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ ایک انقلابی پارٹی تھی جو زیرِ زمین رہ کر انقلاب برپا کرنے کے لیے کوشش کر رہی تھی۔ ار بندو بنگال کے ایک قوم پرست اخبار ''بندے ماترم'' کے ایڈیٹر بھی رہے۔ بنگال کی تقسیم میں وہ اہم رہنما کے طور پر شریک رہے۔

ایک مقدمے کے نتیجے میں وہ کولکتہ جیل میں قید کیے گئے تھے۔ اس جیل میں ان پر علی پور سازش اور بغاوت کا مشہور مقدمہ چلا۔ یہیں انھیں گیتا کے مطالعے کا موقع بھی ملا۔ انھیں کچھ روحانی تجربات بھی حاصل ہوئے۔ ایک ہندو فلسفی نے یوگا کی مشقوں میں ان کی رہنمائی کی۔ اب ان کا ذہن بدلنے لگا۔ وہ سیاست سے روحانیت کی طرف مائل ہوئے۔ اس دوران 1910ء عیسویں میں وہ علی پور سازش کیس سے باعزت بری ہوئے' اور کولکتہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ کر وہ پانڈی چری میں جا بسے۔

1914ء عیسویں میں انھوں نے پانڈی چری سے 64 صفحات پر مشتمل ایک رسالہ جاری کیا جو چھے سال سے زیادہ عرصے تک ان کے نظریات کا ترجمان رہا۔ اس میں ان کے طویل مضامین قسط وار بھی شائع ہوئے اور ان کے مختصر مضامین بھی اس رسالے کی زینت بنے۔ 1928ء عیسوی میں انھوں نے ''ملکوتی ماں'' کا تصور پیش کیا۔ یہ مافوق الفطرت ایک آسمانی ملکوتی ہستی کا تصور تھا جو شعور اور قوت کا

مرکز تھی اور ان کے بقول یہ ہستی اپنی چار قوتوں سے کائنات کی رہنمائی کرتی ہے۔ انھوں نے اس ہستی کی توجہ حاصل کرنے کی شرائط بھی بیان کیں، انھوں نے بالائی شعور کا فلسفہ بھی پیش کیا۔

سری اربندو دولت کو ایک اہم قوت تصور کرتے ہیں، بلکہ وہ مال و زر کو ایک خدائی قوت قرار دیتے ہیں جو خدا ہی بندوں کو دیتا ہے' جبکہ دولت روئے زمین پر یہ اہم کام سرانجام دیتی ہے۔

سری اربندو کی زیادہ تر تحریریں انگریزی میں ہیں لیکن ان کے تراجم بنگالی، گجراتی، سنسکرت، فرانسیسی، ڈچ، ہسپانوی اور فارسی کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی کیے گئے ہیں، وہ شاعر بھی تھے۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے ان کی تعریف میں اشعار بھی کہے ہیں۔ ان کی ایک روحانی آزاد نظم چوبیس ہزار مصرعوں پر مشتمل ہے۔ سری اربندو 1950 عیسویں میں فوت ہو گئے مگر اپنے فکر و فن کی وجہ سے وہ آج بھی زندہ ہیں اور بنگال کے مؤثر رہنماؤں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیے۔

-1 سری اربندو کی شخصیت اور فلسفے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

-2 سری اربندو نے زبانوں کی تعلیم کہاں اور کب حاصل کی؟

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

-1 سری اربندو گھوش کن صلاحیتوں کے مالک تھے؟

-2 سری اربندو گھوش نے ابتدائی تعلیم کہاں پائی؟

-3 انھوں نے گیتا کا مطالعہ کہاں کیا تھا؟

-4 ان کا جاری کردہ رسالہ کتنے سال جاری رہا؟

-5 سری اربندو کس چیز کو بڑی قوت سمجھتے تھے؟

(ج) دُرست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

-1 سری اربندو کے والد کی خواہش تھی کہ ان کے بچے......................۔

(ا) اعلیٰ تعلیم حاصل کریں (ب) روحانیت کے ماہر ہوں (ج) ہند کی تہذیب سے بچے رہیں۔ (د) ا، ب، ج

-2 سری اربندو نے سینٹ پال سکول سے......................زبان سیکھی۔

(ا) لاطینی (ب) یونانی (ج) ہندی (د) انگریزی

3- وہ .... پارٹی کے بانیوں میں سے تھے۔

(ا) کانگرس (ب) جنگانتر (ج) بنگلہ پارٹی (د) عوامی لیگ

4- سری اربندو نے رسالہ .... سے جاری کیا۔

(ا) کول کتہ (ب) دہلی (ج) پانڈی چری (د) ڈھاکہ

5- سری اربندو کی تصانیف .... زبان میں ہیں۔

(ا) انگریزی (ب) سنسکرت (ج) بنگالی (د) ہسپانوی

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کریں اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
پیدائش	1928ء	
لاطینی	آزاد نظم	
ملکوتی ماں	کلکتہ	
وفات	ڈریوٹ	
رسالہ	1914ء	
	1950ء	

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1- سری اربندو کی سوانحی تفاصیل کا ایک چارٹ بنائیے اور اسے کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- طلبہ پر واضح کریں کہ بڑی شخصیات میں بہت زیادہ صلاحیتیں ہوتی ہیں وہ ان صلاحیتوں اور محنت کے زور پر بڑے بڑے کام سرانجام دیتے ہیں۔ اتار چڑھاؤ بھی انسانی زندگی کا حصہ ہے۔

☆☆☆☆

فرہنگ

مذاہب کا تعارف

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
لامحدود	جس کی کوئی حد نہ ہو	فریضہ	فرائض
مداوت	تکرار	لاطینی زبان	ایک زبان کا نام
فضلِ خداوندی	خدا کی رحمت	طریقِ حیات	زندگی کا انداز
مادی تقاضے	دُنیا کی ضروریات	روحانی تقاضے	روح کی ضروریات
توضیح	وضاحت	توجیہہ	وجہ بتانا
اکتفا کرنا	کافی سمجھنا	خصائل	خوبیاں
توثیق	تصدیق کرنا	معاشرتی استحکام	معاشرے کی مضبوطی
ردّوبدل کرنا	تبدیل کرنا	تغیّر	تبدیلی
نقطہ آغاز	شروع کی بات	عنصر	حصّہ

مشکلات کے حل میں مذہب کی راہنمائی

مادہ پرست	دُنیاوی چیزوں سے محبت	توکّل کرنا	یقین کرنا
خدمتِ خلق	انسانوں کی خدمت	آب رسائی	پانی پہنچانا
اجیرن کر دینا	مشکل میں ڈال دینا	سرگرم ہونا	پُرجوش ہونا
بسترِ مرگ	مرنے کے قریب ہونا	اعزا	رشتے دار
بے راہ روی	آوارگی	تلقین کرنا	ہدایت کرنا
مصائب	مصیبت کی جمع	وابستہ ہونا	جُڑ جانا
بیک وقت	ایک وقت میں	بال بال قرضے میں جکڑنا	قرض دار ہونا
بیخ کنی کرنا	خاتمہ کرنا	مسلط ہونا	حاوی ہونا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ازل	وہ زمانہ جس کی کوئی ابتدا نہ ہو، آغازِ خلقت	سرشت	فطرت
تحسین	تعریف، مرحبا	تدارک	درستی، اصلاح
تلافی	ازالہ	تفریح وطبع	سیر وتفریح کا شوقین
قابلِ مذمت	ناپسندیدہ	دلدل میں دھنسنا	مصیبت میں پھنسنا
الہیات	الٰہیت کی جمع وہ علم جس میں وجود باری تعالیٰ پر بحث ہو	رفاہ عامہ	لوگوں کی بھلائی کے لیے
جرائم کا انسداد کرنا	جرائم کا خاتمہ	عدل وانصاف	انسانوں کے ساتھ برابر سلوک کرنا
تشریحات	تفصیلات	بین الاقوامی	عالمی سطح کا
جوں کے توں	اثر نہ ہونا	وسائل	سہولیات

مہاتما اور دھمان مہاویر

مہاویر	عظیم ہیرو	کنفیوشس	کنفیوشی مذہب کے بانی
ریاضت	مشقت، نفس کُشی	حشرات الارض	کیڑے مکوڑے
مصلح	اصلاح کرنے والا	فروعی	شاخیں، اضافی
خود ضبطی	اپنی خواہشات پر قابو پانا	کھشتری	ذات پات کی تقسیم میں ایک طبقہ جو دفاع کرتا ہے
کشکول	بھیک مانگنے کا پیالہ	قبلِ مسیح (BC)	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا زمانہ
BCE	Before Common Era	ثقافتی تسلط	
پُنر جنم	ہندو عقیدے کے مطابق مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا	چتا	ہندو دھرم کے مطابق لکڑیوں کا ڈھیر جس پر لاش کو جلایا جائے
قابل اعتراض	جس پر اعتراض ہو	ہم عصر	ایک زمانہ کے
سنیاس لینا	دُنیاوی اسائشوں کو چھوڑ دینا	پُرتعیش	آسائشیں
ریاضت کرنا	تکرار کرنا	نفس کشی	نفس کو مارنا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عالمِ نزاع	آخری وقت	عرفانِ احدیت	خدا کے واحد ہونے کی پہچان
متروک	ترک کیا ہوا	گیان حاصل کرنا	علم حاصل کرنا
ذہنی انقلاب	سوچ بدلنا	راہبانہ زندگی	تارک الدنیا ہو کر جینا
مساویانہ	برابری	نصب العین	اُصول
مافوق الفطرت	غیر معمولی بات/کرشمہ	مماثلت	ایک جیسے
سراوستی	ایک قدیم شہر کا نام	تفویض ہونا	سپرد ہونا
مرن بھرت	مرنے کے لیے روزہ رکھنا	منتشر کرنا	بکھر جانا
حُرمت	عزت	ترجیح دینا	اہمیت دینا
مضمر استعداد	چھپی ہوئی صلاحیت	تنزل	زوال
عجائباتِ ہند	برصغیر کے عجائبات	ہفت	سات نمبر
قطبین	جنوبی و شمالی یعنی زمین کے دونوں سرے	منطقہ حارہ	زمین کی وہ پٹی جو خطِ جدی سے خطِ سرطان تک پھیلی ہوئی ہے
ایذا دینا	تکلیف دینا	جواہر ثلاثہ	تین خوبیاں
عصمت وعِفت	حیا اور عزت	بے رغبتی	دلچسپی نہ ہونا
فروعی عہد		سرمنڈوانا	سر کے بال اُتروانا
تکبّرات	غرور کرنا	برہم اچاریہ	جو شادی نہ کرنے کا عہد کرے

عبادت کے انسانی زندگی پر اثرات ۔ مذاہب عالم کی روشنی میں

غصب کر لینا	ناجائز قبضہ کر لینا	بغض	عداوت، کینہ
مُراقبہ	تنہائی میں خدا کی طرف دھیان دینا	چِلّہ کشی	چالیس روز تک تنہائی میں بیٹھ کر کوئی عمل کرنا
ماورا	ناقابل فہم	حق غصب کرنا	کسی کا حق کھانا
استغراق	کسی خیال یا فکر میں محو ہونا	اعتدال	میانہ روی
احیا کی تحریک	کسی تحریک کو دوبارہ زندہ کرنا	تاویل	من مانے معنیٰ نکالنا
تنوع	کئی قسم کے	صفاتِ ربوبیت	خدا تعالیٰ کی صفات

عالمی مذاہب میں اخلاقی اقدار

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دل پسیجنا	رحم آنا	فطرتِ سلیم	اعلیٰ طبیعت
شرفِ انسانیت	انسان کا مرتبہ	پسیج جانا	مہربان ہونا
عفو درگزر	معافی و بخشش	مبلغین	تبلیغ کرنے والے
وقوفی علوم	وہ علم جس کا ادراک ہو سکے	غیر متعصّبانہ	تعصب کے بغیر
زیادتی کا مرتکب ہونا	زیادتی کرنا	تقابلِ ادیان	مذاہب کا موازنہ
قصرِ مذلت	ذلت کی جگہ	استدلال	دلیل کے ساتھ
کوتاہ بینی	تنگ نظری	حیات بعد الموت	موت کے بعد زندگی
لازم وملزوم	نہایت ضروری	عائلی اصول	ازدواج کے قوانین

انسانی کردار سازی پر احتساب کے اثرات

تخریب	توڑ پھوڑ	محاسبہ	پڑتال یا حساب
مواخذہ	گرفت، باز پرس	شُتر بے مہار	اپنی مرضی پر چلنے والا
سرزنش	ڈانٹنا	محتسب	حساب لینے والا
لگام دینا	روکنا	عدالتِ عظمیٰ	سب سے بڑی عدالت
راہِ راست	سیدھا راستہ	آواز پر کان نہ دھرنا	بات نہ سننا

مذہبی تعلیمات میں پابندیٔ وقت کی اہمیت

نظام الاوقات	ٹائم ٹیبل	فضیلت	بڑائی، برتری
ناآسودگی	دُکھ/پریشانی	درہم برہم ہونا	برباد ہو جانا
قیمتی متاع	قیمتی چیزیں	ابدی حقیقت	غیر فانی حقیقت
متعلقہ دروازہ	خاص دروازہ	نشست	سیٹ
مابین	درمیان	استحقاق	قانونی یا اخلاقی حق
ناگزیر	ناگوار	شائستگی	تمیز اور تہذیب

فلاسفر ارسطو

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سنگ میل	راستہ بتانا والا پتھر	نظیر	مثال
حصول علم	علم کا حاصل کرنا	میلان	رجحان
اتالیق	اُستاد	ایتھنز، مقدونیہ	یونان کے قدیم شہروں کے نام
خطیر رقم	بہت زیادہ رقم	مستند	سند یافتہ

عمانویل کانٹ

خیر و شر	اچھائی بُرائی	محرک	تحریک دینے والا، آمادہ کرنے والا
نظامِ شمسی	سورج کے گرد سیاروں کی گردش	منقطع ہو گیا	ٹوٹ گیا
کونگز برگ	شہر کا نام	ہلچل مچ جانا	بھگدڑ مچ جانا
بخیے اُدھیڑ ڈالنا	تار تار کرنا	تصفیہ کرنا	صلح کرنا
اجتماعیت	اتحاد۔ اتفاق	قانونِ الٰہی	خدا کا قانون

سری اربندو گھوش

گیتا	ہندوؤں کی مقدس کتاب	مافوق الفطرت	فطرت سے ہٹ کر
رابندر ناتھ ٹیگور	بنگال کا معروف شاعر	یوگی	سادھو، جوگ لینے والا شخص

☆☆☆☆